قرآنی انقلاب



قاسم نوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ

ساری مخلوق اسی کی ہے اور ساری دنیا پر حکم بھی اسی کا ہے

٧:٥٤

زندگی بھر، نہ سرابوں کے ہی منظر دیکھو
دوستو! خواب کی دہلیز سے باہر دیکھو
رنگ تو رنگ ہیں، موسم ہی بدل جائیں گے
روحِ قرآن میں اِک بار اُتر کر دیکھو

قاسم نوری

اللہ کے قانون کی چکی

دیر میں پیستی ہے

مگر — بہت باریک پیستی ہے۔

قاسم نوری

جو شخص —،

یہ خیال کرتا ہے کہ انسان، ایمان کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے

اُسے دورِ حاضر کے نوجوانوں کی حالت کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اس

تلاش میں مضطرب ہیں اور مارے مارے پھر رہے ہیں کہ کوئی ایسی

شے مل جائے جس پر ایمان لایا جائے۔

الفریڈ کوبن (مشہور مغربی مفکر)

اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ دینِ اسلام اس کرۂ ارض پر غالب ہو کر رہے گا۔ (۹/۳۲،۳۳)

زمین اللہ کے نور سے جگمگا اُٹھے گی اور کتابِ مکرم (قرآن حکیم) کا نفاذ عام ہوگا۔ (۳۹/۶۹)

قرآنی انقلاب

کیسے آئے گا؟

کتابیں ہی قوموں پر حکومت کرتی ہیں

کتاب کا نام : قرآنی انقلاب کیسے آئے گا؟
مصنف : محمد قاسم نوری
کتابت و سرورق : سید انور حسین نفیس رقم
www.EBooksLand.blogspot.com
کمپیوٹر کمپوزنگ : البیرونی کمپوزنگ سینٹر لاہور
مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس ۴۳ نسبت روڈ لاہور

پہلا ایڈیشن : مئی سنہ ۱۹۹۱ء
تعداد : ایک ہزار

عروج اکیڈمی
K-15 گلبرگ III لاہور (پاکستان)

قرآنی انقلاب کیسے آئے گا ــــ؟

اُس انقلابِ محمدؐ کی نشان دہی
جس نے انسانی تاریخ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

محمد قاسم نوری

"جو قوم بھی اللہ کی طرف سے ملی ہوئی راہنمائی (قرآن کریم) پہ چلے گی اُسے نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ پریشانی۔ نہ حزن ہوگا نہ سرگردانی"
(۲/۳۸)

○

"یہ وحی (قرآن) ایک روشنی ہے جو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے لیکن روشنی اُسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔" (۴۲/۵۲)

○

"اگر تم کو شک ہے کہ یہ کتاب (قرآن کریم) اللہ کی نہیں ہے تو اس جیسی کتاب لاکر دکھا دو" (بنی اسرائیل آیت ۸۸)

"چلو دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ" (ہود۔ آیت ۱۳)

"اچھا اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایک ہی لائن (سورت) اس جیسی بنا کر دکھا دو۔" (۲/۲۲)

○

"ڈیڑھ ہزار سال گزر چکے ہیں اس چیلنج کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔ قرآن مزید چیلنج کرتا ہے کہ قیامت تک ساری دُنیا کے انسان مل کر بھی کوشش کریں تو نہ تو اس جیسی ایک سورت بنا کر دکھا سکتے ہیں نہ ہی اس کا کوئی ایک لفظ ہی مٹا سکتے ہیں" (بنی اسرائیل ۸۸)

فہرس

بُنیادی شرط

"جب تک کوئی قوم اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا نہیں کرتی،
اللہ بھی اُس قوم کی حالت نہیں بدلا کرتا۔" (۸/۵۳ - ۱۳/۱۱)

O

"رسُول بھی (چاہے تو) کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا،
ہدایت اُسی کو ملتی ہے جو خود ہدایت کی آرزو رکھتا ہو۔"
(۲۸/۵۶)

O

"دُنیا کا کوئی بھی فارمولا ہو وہ اپنا نتیجہ اُسی صورت میں مرتب کرے گا جب اُسے مکمل طور پر یعنی پورے کا پورا اپنایا اور عمل میں لایا جائے ورنہ وہ فارمولا صحیح نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ قرآن بھی ایک فارمولا ہے، نظامِ حیات کو جنت مثال بنانے کا —— اس کی کسی ایک بات پر ایمان لانا اور دوسری بات کو نظر انداز کر دینا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ وقت اور توانائی بھی ضائع ہوگی اور ہمارے ساتھ ساتھ اسلام بھی طعن وتضحیک کا نشانہ بن جائے گا۔

O

اہم بات

○ ۔ سوال یہ نہیں ہے کہ دین کون سا صحیح ہے ؟ مسلک کون سا بہتر ہے ؟عقیدہ کونسا اچھا ہے ۔ ؟

○ ۔ سوال یہ بھی نہیں ہے کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے ۔ ؟ کیوں پیدا کیا ہے ۔ ؟اور کوئی ہمارا پیدا کرنے والا ہے بھی یا نہیں ؟

○ ۔ سوال صرف یہ ہے کہ اگر اللہ ہے بھی تو بے شک ہُوا کرے ہم اسے کیوں مانیں ؟ ۔ اس کے رسولوں کو کیوں مانیں ۔ ؟ ۔ اس کی کتابوں پر کیوں ایمان لائیں ۔ ؟اس کی مرضی پر کیوں چلیں ۔ ؟ ساری زندگی اس سے کیوں ڈرتے کانپتے رہیں ؟ ۔ کیوں نیکی کریں ۔ ؟ ، کیوں اچھے عمل کریں ؟ ۔ اور اگر یہ سب کر بھی لیں تو اس سے ہمیں حاصل کیا ہو گا ۔ ؟ کیا مل جائے گا اور کیا کھو جائے گا ۔ ؟

آدھی دنیا سرے سے مذہب اور اللہ کو تسلیم ہی نہیں کرتی ۔ باقی آدھی دنیا جو اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتی ہے وہ صرف دعویٰ کرتی ہے عملاً وہ بھی اللہ کے قانون پر نہیں چلتی بلکہ اپنی زندگی گزارنے کے ضابطے اور قوانین خود بناتی ہے اور انہی پر عمل کرتی ہے ۔ نہ کوئی قرآنی احکامات کے مطابق زندگی گزارتا ہے نہ انجیل کے مطابق اور نہ کوئی کسی بھی آسمانی کتاب کے مطابق حتیٰ کے کوئی بھی قوم اپنی کسی بھی مقدس مذہبی کتاب کے مطابق زندگی نہیں گزارتی ۔ اور اس طرح ہر فرد اور ہر قوم عملاً اللہ کے وجود اور اس کے قانون کی اہمیت سے انکاری ہے کھلے اور واضح طور پر اللہ اور اس کی حاکمیت سے منکر ہے ۔

○ ۔ پھر یہ تکلّف کیسا ؟

جب اس پورے کرہ ارض پر کہیں بھی اللہ کا قانون نافذ نہیں ہے اور پوری بنی نوع انسانی اپنے ہی بنائے ہوئے طور طریق۔ قاعدے ضابطے۔ اور قوانین کے مطابق جی رہی ہے۔ زندہ ہے اور زندہ رہ سکتی ہے تو ہمیں اللہ یا اس کے نام اور حوالے کی ضرورت بھی کیوں ہے؟

عقیدے اور مسلک گونگے ہیں اور مذہب کے ہونٹ سلے ہوئے ہیں۔

کسی کے پاس اس سوال کا معقول جواب نہیں ہے۔ ایسا جواب جو تمام نوع انسان کو مطمئن کر سکے۔

لیکن! آج سے ایک ہزار چار سو سال پہلے صحرائے عرب میں "مکہ" نامی چھوٹی سی بستی کی ویران۔۔ چٹیل۔ سپاٹ۔ بے رونق اور بے سبزہ پہاڑی (کوہ صفا) کی چوٹی پر کھڑے ہوئے محمد نامی ایک شخص نے۔۔ قیامت تک آنے والی نسلوں کو مخاطب کر کے اس سوال کا جواب دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ جواب۔۔ وہ اللہ کی طرف سے دے رہا ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اللہ کا نہیں ہے اور کسی انسان کا تخلیق کردہ ہے تو اس جیسی ایک ہی لائن (سورت) بنا کر دکھا دو۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳) اور ساتھ ہی اس نے یہ چیلنج بھی کیا تھا کہ تم تو کیا ساری دنیا کے انسان مل کر بھی کوشش کریں تو بھی ایسا نہیں کر سکیں گے۔

سوچئے! اس چیلنج کے جواب میں کیا کیا کوششیں نہیں کی گئی ہوں گی لیکن ایک ہزار چار سو سال گذر جانے کے باوجود، ساری دنیا میں کوئی ایک فرد بھی ایسا کر کے نہیں دکھا سکا۔۔۔ یہ چیلنج آج بھی دعوتِ عام کی حیثیت رکھتا ہے اور قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا۔

لہٰذا چودہ صدیوں کی ناکامی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ جو کچھ محمدؐ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ درست تھا اور ان کی پیش کردہ کتاب ہدایت (قرآن کریم) واقعی اللہ تبارک تعالیٰ کی کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف پر بلا تامل ایمان لایا جا سکتا ہے۔

اس یقین وثوق اور ایمان کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ پیش نظر **سوال** کا جواب اس کتاب الہٰی نے کیا دیا ہے۔؟ یعنی ہم اللہ کو کیوں مانیں؟ اس کے رسولوں اور کتابوں پر کیوں ایمان لائیں۔ اس کی مرضی پر کیوں چلیں؟ ایسا کرنے سے ہمیں کیا مل جائے گا اور ایسا نہ کرنے سے ہمارا کیا بگڑ جائے گا۔؟

میری دانست میں، جب تک یہ بات ہر قلب و ذہن پر واضح نہیں ہو گی۔ اس کرۂ ارض پر کوئی ایسا دینی انقلاب برپا نہیں ہو سکے گا جو تمام بنی نوع انسان کو امتِ واحد بنا دے اور قلوب کو باہم اس طرح جوڑ دے کہ من و تو کا امتیاز ہی مٹ جائے اور یہ دنیا امن کا گہوارہ اور سراپا جنت نظر آنے لگے۔

"قرآنی انقلاب کیسے آئے گا؟" نہ صرف اس سوال کا واضح اور چونکا دینے والا جواب ہے بلکہ اس سوال کا حل بھی پیش کرتی ہے کہ جو لوگ کتابِ الہٰی کے مطابق زندگی گزارنے کا عزم کرنا چاہیں وہ اپنی مومنانہ زندگی کا آغاز کہاں سے اور کس نقطہ سے کریں۔؟

زیر نظر کتاب میں نو مضامین شامل ہیں۔ یہ دراصل میری وہ تقریریں ہیں جو گذشتہ چند برسوں میں، مختلف شہروں اور مختلف اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کی افادیت و مقصدیت کے پیش نظر ان کی اشاعت کے تقاضے شدید تر ہو گئے تھے۔

آخر میں قارئینِ کرام سے انتہائی عجز کے ساتھ عرض کروں گا کہ میں نے قرآن کریم کو اپنی بصیرت کے مطابق جس طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے اس میں اگر کسی جگہ کوئی سہو، فروگذاشت یا لغزش کا پہلو نظر آئے تو ضرور مطلع کیجئے اسے میں اپنی دنیا و آخرت پر احسانِ عظیم سمجھوں گا۔ اور شکر گزار رہوں گا۔ میں قرآن

کریم کا ادنیٰ سا طالبعلم ہوں۔ علم و آگہی کے عرفان کا نہ کوئی دعویٰ ہے نہ قلب و ذہن کے کسی گوشہ میں اس احساس و گمان کا شائبہ۔ قرآنی بعض مضامین کا جو مفہوم سمجھ سکا ہوں، کھلے دل سے پیش کر رہا ہوں۔ اس میں اگر کوئی خوبی ہے تو میری نہیں عظمتِ قرآن حکیم کی ہے اور کہیں کوئی سہو و خطا ہے تو صرف اور صرف میرا ہے۔ بس ایک جذبہ اور لگن ہے کہ قرآن کی روشنی جس طرح میری زندگی کو تابناک بنا رہی ہے اور رحمتوں کے اجالوں سے منور کرتی جا رہی ہے اس سے ساری دنیا بھی جگمگا اٹھے۔

اربوں انسانوں کی اس دنیا میں کسی ایک دل تک ہی اللہ کا یہ نور پہنچ گیا تو میں سمجھوں گا میں نے دنیا اور آخرت کے سبھی خزانے پا لئے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۰

محمد قاسم نوری

K / 15 ۔ گلبرگ III لاہور

انقلاب محمد ﷺ

جس نے انسانی تاریخ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا

"وہاں بات تصورِ ایمان بدلنے کی نہیں تھی،

تصورِ حیات بدلنے کی تھی۔

معبود بدلنے کی نہیں تھی،

نظام بدلنے کی تھی۔

اللہ کے اختیار کی نہیں تھی،

انسان کی خود مختاری کی تھی۔"

نفسِ مضمون

اقتباسات

○ - " مذہب کی غلامی ۔۔ دنیا کی بدترین غلامی سے بھی بدتر ہوا کرتی ہے ۔"

○ - " کل تک تمہاری زندگی کا دارومدار اللہ کے رحم و کرم پر تھا۔ آج سے اس کے قانونِ ہدایت (قرآن) پر عمل کر کے ، اپنی مرضی کے نتائج تم خود حاصل کرو گے ۔"

○ - " اللہ انسانی معاملات میں دخل نہیں دیتا اور نہ ہی انسانوں کی دنیا میں اپنی ذمہ داریاں خود پوری کرتا ہے ۔ بلکہ اپنی ذمہ داری بھی انسانوں کے ہاتھوں ہی سے پورا کراتا ہے ۔" (22/40)

○ - " اللہ نہ کسی کو عزت دیتا ہے ۔ نہ ذلیل کرتا ہے ۔ نہ امیر کرتا ہے نہ حقیر و فقیر بناتا ہے ۔ نہ تباہ و برباد کرتا ہے نہ ہنساتا اور رلاتا ہے ۔ نہ صحت دیتا ہے نہ بیمار ڈالتا ہے ۔ یہ سب کچھ انسان اور انسانی سماج کے پیدا کردہ اعمال کے نتائج ہوا کرتے ہیں جو اللہ کے دئیے ہوئے ضابطے یعنی قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے سامنے آتے ہیں اور قانون مکافات عمل ہی کا دوسرا نام اللہ کا حکم ہوتا ہے ۔"

22/56-10/109-7/87-27/78-39/3-40/48-52/48-68/48

○ - برائی کی تبلیغ کے لئے تو ایک پیغمبر بھی اس دنیا میں نہیں آیا لیکن نیکی اور بھلائی کی تبلیغ کے لئے لاکھوں پیغمبر آئے ۔ کروڑوں ریفارمر پیدا ہوئے ۔ اربوں کھربوں کتابیں کہانیاں قصے مضامین لکھے گئے ۔ بے شمار لوگوں نے برائی بناتے بناتے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ برائی پھر بھی نہ مٹی۔ کیوں ؟
کیا برائی ناقابلِ تسخیر کوئی طاقت ہے ؟ ! "

○ - " آخر اللہ سے انسان کا متعین رشتہ کیا ہے ؟ ہم سے کیوں مانیں ؟ جبکہ اللہ کو نہ ماننے والوں یا نافرمانی کرنے والوں نے ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی گزاری ہے اور اللہ کے ماننے والے نیک انسانوں کی گردنیں ہی کٹتی رہی ہیں ۔"

○ - " اگر ہر انسان کا اعمال نامہ ۔ (تقدیر) پہلے سے لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا ہے تو

یہ دو فرشتے ہر وقت ہمارے کاندھوں پر سوار کیا کرتے رہتے ہیں؟ اور ہماری ہر حرکت کیوں لکھتے رہتے ہیں۔ جب ہم اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں رہے بلکہ وہی کر رہے ہیں جو پہلے سے لکھ دیا گیا ہے تو پھر ان فرشتوں کی کیا ضرورت ہے؟"

○ ۔ "یہ انقلاب محمد تھا جس نے انسان کو اس کے شرف یعنی مقام و مرتبہ سے آگاہ کیا اور مذہب و تقدیر کی غلامی کے تصور سے نجات دلا کر آزادی و خود مختاری کی خلعت عطا کی۔"

یقیناً بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس کرۂ ارض پر وہ کون سا بنیادی انقلاب لائے تھے جس نے حیاتِ انسانی اور اقوامِ زمانی کی سوچوں کے رُخ پھیر کر رکھ دیئے تھے۔ جس نے لاکھوں کروڑوں برس پر پھیلے ہوئے قافلۂ حیات کو نہ صرف تابندہ و پائندہ منزلوں سے آشنا کر دیا تھا بلکہ اُن منزلوں کو پانے کے لئے سہل، آسان، صاف اور سیدھی جہتوں اور راہوں سے بھی آگاہی عطا کر دی تھی۔۔۔ کیا وہ انقلاب صرف یہ تھا کہ اپنے بُتوں کی پرستش چھوڑ دو اور میرے بتائے ہوئے اللہ کی پرستش کرنے لگو۔؟ یا یہ کہ اب جنّت دوزخ کا ٹھیکہ بدل گیا ہے اور اب اس کے اختیارات تم سے چھین کر اللہ نے مجھے دیدئے ہیں لہذا اب جنت اُسی کو ملے گی جو میری مرضی پر چلے گا اور دوزخ اُس کا ٹھکانہ بنے گی جو میرا کہنا نہیں مانے گا۔؟ یا بات صرف اِقتدار کی تھی کہ لوگ اس وقت کے وہ نظامِ حکومت سے تنگ آگئے تھے اور حکومت بدلنا چاہتے تھے۔ اور رسالت مآبؐ نے نظامِ حکومت بدل دیا تھا؟ نہیں۔۔۔ وہاں تو سرے سے کوئی حکومت ہی نہیں تھی کوئی سلطنت ہی نہیں تھی۔ تمام قوم چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی اور ہر قبیلہ آزاد تھا۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا سردار تھا اور اپنا اپنا طرزِ حیات تھا۔ سوچیئے کہ اُس سراپا انقلاب رہبرِ انسانیت کے پاس پھر وہ کون سا سلوگن تھا۔۔ کون سا نعرا تھا جس نے رُوحوں میں تھرتھری پیدا کر دی تھی اور ذہنوں میں بغاوت بھر دی تھی اور جس نے قافلۂ حیاتِ انسانی کے لئے نئی جہتوں اور نئی منزلوں کا تعین کیا تھا اور نئی نئی راہیں تشکیل دی تھیں۔۔ ؟!!

دوستو! یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ رسموں اور عقیدوں کی جڑیں بڑی گہری اور مضبوط ہوا کرتی ہیں انسان آسانی سے جان تو دے دیتا ہے لیکن رسم و رواج اور عقیدہ و ایمان کو بڑی مشکل سے بدلنے پر تیار ہوتا ہے۔ کوئی قانون۔ کوئی سزا۔ کوئی جبر اور کوئی لالچ ذہنوں اور دلوں کو آسانی سے تبدیل نہیں کر سکتا اور انقلاب تو کہتے ہی "قلب کی تبدیلی" کو ہیں۔ یہ لفظ انقلاب تو نکلا ہی قلب سے ہے لہذا

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، کوئی ایک سماج ہو یا انسانی عالمی معاشرہ۔ اس میں پائیدار تبدیلی نہ تو اسمبلیوں کے ذریعہ سے لائی جاسکتی ہے اور نہ احکام و قوانین کے ذریعہ سے۔ تبدیلی یا انقلاب صرف اور صرف قلوب یعنی دلوں کے بدل جانے سے ہی آیا کرتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دل بدلنے کے لئے کئی نسلیں اور کئی صدیاں درکار ہوا کرتی ہیں۔ اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

بڑی مُدّت میں جلووں پر ترے ایمان لائے ہیں
بڑی مشکل سے میرے دیدہ و دل راہ پر آئے

دیدہ و دل بڑی مدت میں اور بڑی مشکل سے ہی راہ پر آیا کرتے ہیں لیکن اسی کرۂ ارض پر، تاریخ کے ایک حسین موڑ پر چشم فلک نے ایسا بھی اک منظر دیکھا کہ صحرائے عرب سے ایک تنہا مگر پُر عزم آواز اُبھری اور آنِ واحد میں تمام روحِ عالم کو انقلاب آشنا کر گئی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تیئیس سال جہد و عمل کی مختصر سی زندگی نے، جسمِ عالم میں وہ انقلابی رُوح پھونک دی جس نے انسانی تاریخ کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

قوموں کی زندگی میں تیئیس سال، تیئیس سیکنڈ سے بھی کم حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ کے ان تیئیس لمحوں میں اتنا عظیم انقلاب رُونما ہوا جس کے اثرات قیامت تک آنے والی نسلوں، قوموں اور زمانوں کو محیط ہو گئے ۔۔۔۔ وہ انقلاب کیا تھا؟ جس نے ذہنوں اور دلوں کو پل بھر میں بدل ڈالا اور وہ راستہ کون سا تھا جس پر چل کر، جسے اپنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، انقلابی شخصیت بنی تھی اور جسے جو قوم جب اور جہاں بھی اپنائے گی تاریخ کے رُخ پھر سے موڑ کر رکھ دے گی اور اپنے ساتھ ساتھ حیاتِ انسانی کو بقائے دوام بھی بخش دے گی۔؟

یُوں تو نظامِ زندگی کا وہ کون سا گوشہ ہے جو فکرِ محمدیؐ سے انقلاب پذیر نہیں ہُوا لیکن میں چند ان بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا جن کو جانے اور سمجھے بغیر کوئی اس انقلاب کی رُوح سے آشنا ہو ہی نہیں سکتا اور جب کوئی روحِ انقلاب

ہی سے آشنا نہیں ہو گا تو نہ وہ دعوتِ اسلام کو سمجھے گا نہ قرآن کو اور نہ مقصدِ حیات کو ۔۔۔ اور عزیزو جس راستے کی منزل متعین نہیں ہوتی اور واضح نہیں ہوتی وہ دُکھ، تھکن، اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں دیا کرتا۔ اس پر چلنے سے کبھی آسودگیٔ منزل حاصل نہیں ہو سکتی اور یاد رکھو تاریخ کے فیصلے بڑے اٹل اور مستحکم ہوا کرتے ہیں جن میں ایک اٹل فیصلہ یہ بھی ہے کہ تباہی کے آثار۔ تباہی سے پہلے ضرور نمودار ہوا کرتے ہیں۔ جو قومیں فطرت کے ان اشاروں کو پڑھ لیتی ہیں وہ خود کو تباہی سے محفوظ کر لیتی ہیں اور جو نہیں پڑھ سکتیں یا پڑھ کر ان کا نوٹس نہیں لیتیں اور انہیں نظر انداز کر دیتی ہیں وہ ہلاکت سے بچ نہیں پاتیں اور صفحۂ ہستی سے اُن کا نام و نشان تک مٹ جایا کرتا ہے۔

---------- o ---------

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انسان سے ۔۔۔، خالقِ انسان کا رشتہ یا تعلق بڑا مضحکہ خیز، متضاد، مُبہم اور غیر سنجیدہ تھا اور جتنے بھی مروّجہ و معلوم مذاہب تھے وہ اللہ کے تصوّر کو بڑا بھیانک بنا کر پیش کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ بندے کو اللہ کے بارے میں سوچنے اور سوال کرنے کا حق بھی نہیں دیتے تھے۔ اس سے انسان کی نجی اور اجتماعی زندگی پر جو اثرات مرتب ہوتے تھے ان کا نتیجہ مَنفی اور وہ اللہ سے دُوری، ہی نکلتا تھا۔ تنگ آکر ذہنِ انسانی بغاوت کر دیتا تھا اور پھر ایک نیا معبود تراش لیتا تھا جو پہلے تصوّر سے مختلف ہوتا تھا اور اس طرح فرقے عقیدے، گروہ اور پارٹیاں بڑھتی جاتی تھیں اور پوری بنی نوعِ انسانی جو اُمّتِ واحدہ تھی یعنی ایک جماعت تھی، لاکھوں ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی تھی ۔۔۔ ہر ٹکڑے کا معبود الگ تھا اور ہر معبود ایک جُداگانہ تصوّر اور صفات رکھتا تھا اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت صرف ایک شہر مکہ میں انتہائی قلیل و مختصر سی آبادی کے تین سو ساٹھ معبود تھے جو بتوں کی شکل میں محسوس طور پر خانۂ کعبہ کے اندر سجے ہوتے تھے اور ان کی کھلے عام پوجا

پرستش ہوتی تھی۔ یہی حال ساری دُنیا کا تھا۔ ہر علاقہ ہر ملک اور ہر خطۂ زمین پر وہ خداؤں کی بھیڑ" تھی۔ تاریخی اعتبار سے ان سب کو شمار کیا جائے تو گنتا محال ہو جاتا ہے بات لاکھوں کروڑوں سے بھی آگے نکل جاتی ہے لیکن دو ایسے مذاہب تھے جن کا غلبہ اور اثر تمام اقوام و مذاہب پر تھا یہ مذاہب عیسائی اور یہودی تھے اور ان دو مذاہب میں بھی اللہ کا آفاقی تصور کچھ اس طرح تھا۔

- اللہ کُل کائنات کا بادشاہ ہے۔ اس کا تخت عرش پہ ہے۔
- اُس کا دربار آسمانوں میں لگا کرتا ہے۔
- وہ خود بھی آسمانوں میں رہتا ہے۔
- اللہ اپنے پیغمبروں کو آسمانوں کی سیر کراتا ہے۔
- اور آسمانوں میں ہی پیغمبروں سے ملاقات کیا کرتا ہے وہیں اُس نے جنت دوزخ بنا رکھی ہے۔
- مرنے کے بعد ہر انسان کی رُوح آسمانوں ہی کی طرف پرواز کرتی ہے۔

جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اُسے جنت میں بھیج دیتا ہے جس سے ناراض ہوتا ہے اُسے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔ اللہ کے ہاں انصاف نہیں ہوتا بلکہ یہ سَودا اس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔۔۔ ایک شخص ساری زندگی گناہ کرتا رہتا ہے۔ ہر وہ عیب اس کا شعار بنتا ہے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن اُس سے کوئی ایسی حرکت سر زد ہو جاتی ہے جس سے اللہ خوش ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے گناہ معاف کر کے جنت میں بھیج دیتا ہے۔ یا ایک شخص ہے جو کبھی گناہ نہیں کرتا۔ اس کا ہر سانس عبادت و ریاضت میں گزرتا ہے لیکن اُس سے ذرا سی غلطی ہو جاتی ہے یا ذرا سا تکبر آ جاتا ہے یا کسی معمولی حرکت سے اللہ کو ناخوش کر دیتا ہے تو پل بھر میں اُس کی زندگی بھر کی عبادت غارت ہو جاتی ہے اور وہ جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔۔۔ گویا، سب کچھ اللہ کے "رحم و کرم" پر ہی منحصر ہوتا ہے اور عدل و انصاف بھی دراصل اس کے رحم و کرم ہی کے نام ہوا کرتے ہیں۔

٥ - تمام ذلتیں اور عزتیں اللہ کے ہی ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ جسے چاہتا ہے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت بخش دیتا ہے۔ محنت، صلاحیت، عبادت، میرٹ، کریڈٹ کچھ کام نہیں آسکتے۔ اللہ جسے چاہے غلام بنا دے جسے چاہے حکمرانی عطا کر دے۔ جس سے خوش ہوئے قارون کر دے جس سے ناخوش ہوئے محتاج و فقیر کر دے۔ بس انسان کو ہر وقت اس سے کانپتے ڈرتے رہنا چاہیے اور اُس کو خوش کرنے کا سامان کرتے رہنا چاہیے۔

اور جب انسان اللہ کو خوش کرنے کی تدبیر کرنے لگتا تو اس سے کہا جاتا۔

"یہ بھی تم اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ اس کی توفیق بھی اللہ جس کو چاہتا ہے، خود ہی دیتا ہے۔" یعنی انسان نیکی بھی خود نہیں کر سکتا۔ اللہ جس کو نیک بنانا چاہتا ہے خود ہی بناتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے، کر دیتا ہے۔ اللہ ہی دلوں کے قفل کھولتا ہے اور وہی دلوں پر مہریں لگاتا ہے۔

اللہ کے اس عجیب و غریب تصور پر جب انسان گھبرا جاتا اور حیرت زدہ ہو کر سوچتا کہ جب میری اطاعت، عبادت اور ریاضت کا بھی بھروسہ نہیں کہ وہ کام آنے گی بھی یا نہیں اور اللہ کے ہاں انصاف بھی نہیں ہو گا بلکہ جنّت دوزخ کا دارو مدار بھی اللہ کے رحم و کرم پر ہی منحصر ہے --- پھر اُس کا خوش کرنا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے کہ اس کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔ دلوں کے قفل بھی وہی کھولتا اور لگاتا ہے --- ہم محنت کر کے بھی ترقی نہیں کر سکتے کہ یہ بھی اُسی کی مرضی پر ہے۔ وہ جسے چاہے فقیر کر دے جسے چاہے امیر بنا دے --- انسانیت کے کام کر کے بھی عزت حاصل نہیں ہو سکتی کہ عزت و ذلت کا مالک بھی وہی ہے --- شکوہ شکایت اور فریاد بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ اور اس کی منشا پر انگشت نمائی ہو گی اور پل بھر میں سب کیا دھرا غارت ہو جائے گا۔ تو پھر کوئی بتاؤ ہم کیا کریں ؟؟

جواب ملتا تھا۔ "انسان از خود کچھ نہیں کر سکتا وہ تو مجبورِ محض ہے کیونکہ پیدا

ہونے سے پہلے اُس کی تقدیر بنا دی جاتی ہے بلکہ لکھ کر لوحِ عرش پر محفوظ کر دی جاتی ہے ۔۔"

انسان مزید گھبرا جاتا اور سوچتا ۔" اگر ہر انسان کا اعمال نامہ پہلے سے لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا ہے تو یہ دو فرشتے ہر وقت ہمارے کاندھوں پر سوار کیا کرتے رہتے ہیں اور ہماری ہر حرکت کیوں لکھتے رہتے ہیں ؟ جب ہم اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں رہے بلکہ وہی کر رہے ہیں جو پہلے سے لکھا ہوا ہے تو پھر ان کی کیا ضرورت ہے ؟"

جواب ملتا کہ یہ سب اللہ کے کام ہیں اور اللہ کے کاموں میں دخل دینے یا سوال و جواب کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور کافر کا ٹھکانہ جہنم ہوا کرتا ہے ۔

شعورِ انسانی مزید بے چین ہو جاتا ۔" یا اللہ یہ سب کیا ہے ؟ ہم کدھر جائیں ؟ ایک کام کرنے کا تو حکم دیتا ہے ۔ مگر اس کام کو کرنے کا اختیار نہیں دیتا ہم حکم کی تعمیل کرنے کا عزم کرتے ہیں مگر نہیں کر سکتے کہ اس کی توفیق تُو نے نہیں دی ۔ توفیق دینے نہ دینے کا اختیار تیرے ہی پاس تھا ۔ ہم مجبور ہو گئے تیرے حکم کی تعمیل (تیرے ہی توفیق نہ دینے کی وجہ سے) نہیں کر سکے ۔ تو نے اس پر بھی پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا ۔ قصور یہ بتایا کہ حکم کی تعمیل نہیں کی گئی ؟! تیرا حکم نہ ماننا بھی تو تیری ہی رضا و توفیق کے عین مطابق تھا ، عین اطاعت تھا ۔ جو کچھ تو نے پہلے سے لکھ رکھا تھا ، پہلے سے طے کر رکھا تھا اُس کے ہی مطابق تھا ۔ پھر یہ سزا کیسی ؟ عذاب اور غیض و غضب کیسا ؟ دہکتا ہوا جہنم کیسا ؟ ۔

جواب ملتا ۔" مذہب میں عقل کو دخل نہیں ہے ۔ بے چون و چرا اللہ کو ماننا اور اُس کے حکم کو بجا لانا ہی ایمان ہوا کرتا ہے ۔ نجات چاہتے ہو ، جنت چاہتے ہو تو سوال و جواب مت کرو ورنہ تباہی و بربادی کے لئے تیار ہو جاؤ ۔۔۔"

شعورِ انسانی جھنجلا جاتا ۔" یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ سوچو تک نہیں سوال و جواب تک نہ کرو کیا اللہ اتنا کمزور ہے کہ ادنیٰ سے معمولی سے انسانی ذہن کو بھی

مطمئن نہیں کر سکتا۔ چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب بھی نہیں دے سکتا؟!!
وہ اگر عظیم قوتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔ وہ اگر کائنات اور اس کائنات میں تمام موجودات اور انسان کا خالق ہے تو اُس میں مخلوق کو جواب دینے کی قدرت بھی یقیناً ہو گی اور اگر ایسا ہے تو پھر مذہب میں عقل کو دخل کیوں نہیں ہے؟ مذہب عقل سے کیوں گھبراتا اور کتراتا ہے۔ وہ اللہ کو متضاد بنا کر کیوں پیش کرتا ہے؟ کہ اُس کا حکم مانو تو مشکل نہ مانو تو مشکل۔ آخر اللہ سے انسان کا متعین رشتہ کیا ہے؟ ... آخر ہم اسے کیوں مانیں؟ کیوں نیک بنیں۔ کیوں اچھے عمل کریں جبکہ ماضی گواہ ہے کہ بُرے کام کرنے اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں نے ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی گزاری ہے۔ اور نیک انسانوں کی گردنیں ہی کٹتی رہی ہیں، جیل، رُسوائی اور ذلت ہی ان کا مقدر رہی ہے۔ فاقے اور پیوند زدہ کپڑے ہی ان کا نصیب بنے ہیں۔ حکمرانی، دبدبہ، شان و شوکت، عزّت و وقار، چین آرام سکون، دولت شہرت اور ہر قسم کے ٹھاٹھ باٹھ اُنہی کے حصہ میں آتے ہیں جنہوں نے ہر وہ طریقہ اور وطیرہ اختیار کیا جو انسانیت کُش تھا اور اللہ کے احکام اور منشا کے سراسر خلاف تھا.... اگر صداقت انسانیت شرافت نیکی بھلائی کوئی طاقت ہے تو ازل سے آج تک وہ برائی پر غالب کیوں نہیں آئی؟!....

بُرائی کی تبلیغ اور پرچار کے لئے تو ایک بھی پیغمبر اس دُنیا میں نہیں آیا لیکن نیکی اور بھلائی کی تبلیغ کے لئے لاکھوں پیغمبر آئے.. کروڑوں ریفارمر پیدا ہوئے۔ اربوں کھربوں کتابیں کہانیاں قصے بھی لکھے گئے۔ خود اللہ بھی ازل سے بُرائی کے خلاف رہا۔ سزا سے اور دردناک عذاب سے ڈراتا رہا۔ بے شمار، اللہ کے ماننے والوں نے بُرائی مٹاتے مٹاتے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ بُرائی پھر بھی موجود رہی۔ کیا بُرائی بھی ناقابلِ تسخیر کوئی طاقت ہے؟!! اتنی بڑی طاقت ہے کہ لاکھوں رسولوں کی فوج، نیک انسانوں کے گروہ، مصلح، دانش ور، ریفارمر، بڑی بڑی حکومتیں، کتابیں، نصیحت آمیز باتیں اور کائنات کی عظیم قوتوں کا مالک خود اللہ بھی

اسے مٹانے میں ناکام رہا اور آج تک تمام کرۂ ارض پر برائی، ظلم جبر، ناانصافی ہی کا غلبہ ہے اور ان کے پیدا کار ہی حکمران بھی ہیں اور کروڑوں اربوں انسانوں کی قسمت کے مالک بھی ہیں۔ تو جھوٹا تکلف کس لئے؟ کیوں نہ کھلے دل سے بُرائی کی عظمت و طاقت کو تسلیم کر لیا جائے اور جاہ و حشمت، سربلندی اور عزت و وقار سے رہا جائے۔؟"

مذہبی پیشوائیت کی طرف سے اس کے جواب میں کہا جاتا۔ "یہ دنیا فریب نظر ہے۔ دھوکا ہے۔ قید خانہ ہے۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ تم ظالموں کے ظاہری عیش و عشرت پر نہ جاؤ، جو یہاں بادشاہ ہے وہاں فقیر ہے، جو یہاں عزت دار ہے وہاں ذلیل ہے اور جو یہاں جتنا ذلیل ہے وہاں اتنا ہی زیادہ عزت والا ہوگا۔ یہاں کا فقیر وہاں کا سرمایہ دار ہوگا۔ یہاں کا جہنمی وہاں کی جنت کا مالک ہوگا۔۔ بس اللہ کی پوجا پرستش میں مست رہو اور دنیا کی طلب مت کرو۔" یہ جواب شعور انسانی کو مطمئن نہ کر پاتا۔ الجھن کچھ اور بڑھ جاتی اور انسان سوچنے لگ جاتا۔

"ہم ہر وقت اللہ کی پوجا، پرستش اور تعریف میں کیوں لگے رہیں؟ ایک طرف تو یہ جتایا جاتا ہے کہ اللہ تمام بلندیوں، وسعتوں اور عظمتوں کا مالک ہے۔ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی نہ اُس کی عظمت میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ ذرہ برابر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے جذبات سے بھی ماورا ہے، خواہشات سے بھی ماورا اور بلند اور دوسری طرف وہ اپنی ہی پیدا کردہ انسانی مخلوق کے اعمال سے متاثر بھی ہو جاتا ہے۔ اپنی تعریف پوجا پرستش سے خوش ہو کر جنت بخش دیتا ہے۔ خوشامد نہ کرو تو غضبناک ہو جاتا ہے۔ عذاب نازل کر دیتا ہے۔ بستیاں کی بستیاں اُجاڑ دیتا ہے۔ قوموں کی قوموں کو جہنم رسید کر دیتا ہے۔ کیا خوش ہونا، غصہ ہونا، جوش میں آنا، جذبات نہیں ہوا کرتے؟! پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اللہ سے نہ کچھ لے رہے ہوتے ہیں نہ دے رہے ہوتے ہیں۔ نہ اُس کا کچھ بگاڑ رہے ہوتے ہیں نہ بنا رہے ہوتے ہیں۔ ہر انسان کسی نہ کسی دوسرے انسان کو یا تو فائدہ

پہنچا رہا ہوتا ہے یا نقصان۔ تو یہ تو سراسر دو انسانوں کے درمیان باہمی معاملہ ہُوا۔ دو قوموں کے درمیان معاملہ ہُوا! ۔ اب انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس کا کچھ بگڑے وہی بگاڑنے والے کا گریبان بھی پکڑے اور اُسی سے اپنا نقصان بھی پُورا کرائے۔ لیکن یہاں عجب مضحکہ خیز صُورت ہے۔۔۔ ایک انسان نے دوسرے انسان کو نقصان پہنچایا اور غضبناک اللہ ہو گیا۔ حالانکہ کسی نے نہ اللہ کا کچھ بگاڑا (کہ اللہ کا کچھ بگاڑا ہی نہیں جا سکتا) نہ اُس کی چوری کی نہ نقصان پہنچایا لیکن سزا دینے اللہ آگیا۔ پکڑ کر جہنم میں اُس نے ڈال دیا۔ کسی کا جسم داغنے لگا۔ کسی کو آگ میں بھُوننے لگا۔ کسی کو خون اور پیپ پلانے لگا۔ آگ اور انگارے کھِلانے لگا اور کسی کو جنت میں بھیجنے لگا۔ حُوریں بانٹنے لگا۔ غلمان دینے لگا۔۔۔۔ اِسی طرح نیکی ہم کسی سے کریں اور جنت میں محل اللہ دے گا۔ بُرائی ہم کسی سے کریں اور دوزخ میں اللہ ڈال دے گا۔ کیوں کرے گا بھلی ایسا وہ ؟! جس بات سے اُس کا تعلق ہی نہیں ہے۔ واسطہ ہی نہیں ہے وہ اس کا نوٹس بھی کیوں لے گا ؟! اگر ہم سے کوئی واسطہ ہے۔ کوئی اس کا تعلق ہے تو وہ چُپ کیوں رہتا ہے۔۔۔۔ ؟!

ایک غنڈہ بدمعاش، راہ چلتے کسی شریف زادی کو اغوا کر لیتا ہے اور اُسے بے عصمت کر ڈالتا ہے۔ وہ مجبور کمزور معصوم لڑکی روتی اور اللہ سے فریاد کرتی ہے اور مدد کرنے کے بجائے اللہ اُس کی عصمت لٹتے دیکھتا رہتا ہے اور کائنات کی تمام قوتوں کا مالک ہونے کے باوجود بس اِسی پر اکتفا کرتا ہے وہ کہ جب تُو میرے پاس آئے گا تب مزہ چکھاؤں گا۔۔۔ تب سزا دوں گا۔"

معاذ اللہ کیا اِس دنیا میں اور ظلم و زیادتی کے اِن لمحات میں اللہ مجبور ہے۔ بے اختیار ہے ؟۔ اُس کا اختیار صرف اگلی ہی دنیا میں ہے۔۔ اِس دنیا میں وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم وہاں جائیں گے تب وہ کچھ کرے گا۔ تب وہ ہم سے نمٹے گا۔۔۔۔

اَن گنت لوگ صبح شام اس دنیا میں قتل ہوتے ہیں۔ بے گناہ پھانسیاں پاتے ہیں۔ شرافت و نجابت سرِ بازار رُسوا ہوتی ہے۔۔۔ سرمایہ دار، غریبوں کے پاس

کفن تک نہیں چھوڑتا۔ بڑی قومیں، چھوٹی قوموں کی رگِ حیات کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتی ہیں اور اللہ دیکھتا رہتا ہے۔۔۔ ظالم پنپتے پھولتے پھلتے رہتے ہیں۔۔ مظلوم بسکتے بلکتے، دعائیں کرتے اور گڑ گڑاتے ہی مر جاتے ہیں۔ امیر کے کُتے کو چھینک آجائے تو معالجوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ غریب، ہسپتال کی دیوار سے چمٹ کر روتا بلکتا اور خون تھوکتا مر جاتا ہے۔۔۔۔ تھانوں میں کیا ہوتا ہے؟ عدالتیں کیا کرتی ہیں؟ محکموں کی رَوِش کیا ہے؟ حکومت کا چلن کیا ہے؟ کمزوروں غریبوں مجبوروں اور مظلوموں کا استحصال کرنے والے ہی لیڈر بھی بنتے ہیں۔ وزیر سفیر بھی ہوتے ہیں۔ اُونچی اُونچی کرسیوں پر بھی بیٹھتے ہیں۔ اُونچے اُونچے بنگلوں میں بھی رہتے ہیں اور انہی ظالموں کے پیچھے اور انہی کے ہاتھوں برباد ہونے والے لوگ، اپنے ہی قاتلوں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے چلتے ہیں اور یہ ظالم لیڈر اُنہیں کتے کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ سب کو تو بڑی اور روٹی بھی نہیں دیتے۔

اور اللہ یہ سب دیکھتا ہے۔ دیکھتا رہتا ہے۔ بس اُس کے پاس ایک ہی ڈراوا، ایک ہی دھمکی ہوتی ہے کہ جب مَرو گے اور اُس کے پاس آؤ گے تب وہ عدل کرے گا۔ تب وہ دردناک عذاب دے گا۔۔۔ ؟!!

--------- o ---------

عزیزانِ محترم! یہ تھا اللہ کا وہ تصوّر جو ساری دنیا میں رائج تھا اور ہر قوم اور ہر مذہب میں ایمان کا جزوِ لازم تھا جس کی وجہ سے ذہنوں میں گھٹن، دلوں میں کرب اور رُوحوں میں بے چینی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ سارا نظامِ زندگی اَتھل پَتھل ہو کر رہ گیا تھا۔ اِس بے یقینی۔ تذبذب اور گھٹن کے عالم میں صحرائے عرب سے ایک انقلاب آفریں آواز اُبھری اور چار دانگِ عالم میں گونجتی چلی گئی۔۔۔ یہ آواز کیا تھی ایک جملہ تھا بلکہ صرف چار لفظ تھے جو قلبِ انسانیت میں قیامت تک کے لئے ترازو ہو گئے۔ ایسی خوشبو تھے جو مشامِ جاں کو معطّر کر گئے۔ ایسی روشنی تھے جو روحِ کائنات کو تابناک و منوّر بنا گئے۔ ذہنوں اور دلوں کی تبدیلی جو نسلوں اور

صدیوں کی گردشوں میں ڈھل کر ظہور پزیر ہوتی تھی، وقت کی ایک جنبش میں در آئی۔ خیرِ شعور کی طنابیں پل بھر میں کھنچ گئیں اور صدیوں کی سطوتیں لمحوں میں سمٹ گئیں.....

وہ مختصر سے چار لفظ، وہ چھوٹا سا جملہ، وہ نعرا، وہ سلوگن جو سکونِ ابدی کا پیامی اور بقائے انسانیت کی ضمانت بنا اور پھر حیاتِ جاودانی کا منشور کہلایا اور جسے لبِ محمدؐ سے ادا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ بھول بیٹھے ہو تو دوہرا دوں کہ تمام کرۂ ارض کی وسعتوں اور پہنائیوں میں گونج اٹھنے والی وہ ندا، وہ صدا، وہ انقلاب انگیز، روح پرور گھمبیر آواز تھی۔ لا۔ الہٰ۔ الاّ۔ اللہ

لوگو! تمہارا تعلق خود ساختہ تصوراتی معبودوں سے نہیں ہے۔ نظریاتی الہٰ سے ہے۔ الہٰ۔ جو توانائی ہے۔ طاقت ہے۔ حکمرانی اور اقتدار اعلیٰ ہے۔ ضابطہ ہے۔ نظریہ ہے حق ہے۔ حقیقت ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے "لا" ہے ---- یاد

رکھو "لا" بنیاد ہوتا ہے مذہب کی اور "الہٰ" بنیاد بنتا ہے دین کی اور چونکہ "لا" کا مطلب ہی "کچھ نہیں" ہوتا لہذا یہ آسانی سے ذہنِ انسانی میں سما جاتا ہے۔ ہر قسم کے تصور میں ڈھل جاتا ہے۔ جس طرح تمہارے اپنے ہی ذہنوں اور ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بُت ہیں ---- یہ سب تمہارے اپنے تصورات کے عین مطابق ہیں اور تصورات سے الگ کر دیا جائے تو صرف "لا" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو نہ سُن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ یہ صرف الہٰ ہے جو تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے جو ہر لحظہ تم میں ہوتا ہے۔ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ مت سمجھ لینا کہ الہٰ بھی کوئی بُت ہے جو تمہارے بُتوں سے افضل ہے۔ زیادہ اچھا ہے کہ اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کرلو۔ اور نہ ہی یہ کوئی پوجا۔ بھگتی۔ پرستش، عبادت، خوشامد کا محور ہے کہ تمہاری تعریفوں اور عبادتوں سے خوش ہو کر جنت دے دے گا اور عبادت نہ کرنے سے جہنم رسید کر دے گا۔ جیسے عیسائیت میں

غلط عقیدہ رواج پاگیا ہے کہ God Is A Jealous God یعنی اللہ وہ ہے جو اپنے سوا کسی اور کی تعریف اور خوشامد برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ یہی تو فرق ہوا کرتا ہے۔ دین اور مذہب میں۔ دین ایک نظام ہوتا ہے اور نظام ضابطوں اور قوانین کے تحت چلا کرتے ہیں۔ اور وحی کے تابع دین اللہ کی طرف سے عطا ہوا کرتا ہے --- لیکن مذہب، انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ اسے انسانی محدود عقل تراشتی ہے اور اس کا دارومدار اندھی عقیدت اور جھوٹی تسکین پر ہوتا ہے۔ جذباتی وابستگی پر ہوتا ہے اور جذبات و عقیدت، دلیل و تاویل، جواز قانون اور ضابطوں کے پابند نہیں ہوتے لہٰذا مذہب میں عقل کو دخل بھی نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے مذہب میں کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ اور کس طرح؟ کے الفاظ "حرام" ہوا کرتے ہیں اور بغاوت سمجھے جاتے ہیں لیکن اے لوگو! الٰہ تمہاری مذہبی پیشوائیت کے ہر تصور سے بلند اور مختلف ہے۔ اس میں جذبات و احساسات اور بلا جواز اندھی عقیدت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کی بنیاد ہی دلیل و برہان اور عقلِ سلیم پر ہے۔ اس پر ایمان لانے کے لئے تفکر و تدبر کی ضرورت ہو گی۔ اطمینانِ قلب و ذہن کی ضرورت ہو گی۔ کیوں؟ کیا؟ کس طرح؟ اور کیسے؟ کے الفاظ ایمان و ایقان کی بنیادی شرط ہوں گے --- یاد رکھو جو بات سمجھ ہی میں نہ آئے وہ بھروسے اور اعتماد کے قابل بھی نہیں ہوا کرتی --- مذہب سمجھ میں آجائے تو ایمان کا مقام حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا تضاد مضحکہ خیز بن جاتا ہے --- لوگو! الٰہ ضمانت ہے تمہارے دائمی سکون کی، آرام و اطمینان کی۔ خوف و خطر اور حزن و ملال سے نجات کی۔ پُرمسرت زندگی کی، بقاء و فلاح کی اور اس جنت کی جو مرنے کے بعد ہی حاصل نہیں ہو گی بلکہ یہیں شروع ہو جائے گی اور یہ کسی "معبود" کا انعام نہیں ہو گا۔ بخشش یا رحم و کرم نہیں ہو گا بلکہ تمہارے اچھے اعمال کا نتیجہ ہو گا۔ تمہارا حق ہو گا۔ الٰہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہو گا۔ یاد رکھو! کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان پر حکومت کرے یا اُسے اپنے سے کم تر سمجھے۔ عورت ہو یا مرد، انسان ہونے کے

ناطے سے سب برابر کی عزت و تکریم رکھتے ہیں۔ برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔ اقتدار، غلبہ، حکومت صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ اللہ کے قانون کی ہے۔ صرف ایک اللہ کی اطاعت و بندگی تمہیں ہزاروں غلامیوں سے نجات دلا دے گی۔ تم اپنی زندگی، اپنے اعمال و کردار اور اپنی سوچ اور فیصلوں کے خود مالک و مختار ہو جاؤ گے۔ اپنی تقدیریں خود لکھا کرو گے اور خود بنایا کرو گے۔۔۔"

دوستو! اسلام سے پہلے اللہ اور انسان کا رشتہ آقا اور غلام کا رشتہ تھا۔ حاکم و محکوم کا رشتہ تھا۔ سخت گیر مطلق العنان بادشاہ اور ہر لمحہ لرزتی، کانپتی اور سہمی ہوئی رعایا کا رشتہ تھا اور چونکہ یہی تصور، عقیدہ، ایمان اور مذہب بن چکا تھا لہٰذا اس غلط تصور نے ہر ہر شعبۂ زندگی کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ ذہن ماؤف، سوچیں مفلوج اور رُوحیں مُردہ ہو چکی تھیں۔ انسان نہ بغاوت کر سکتا تھا اور نہ اس شکنجہ سے نکل سکتا تھا۔۔۔ ایسا کوئی سوچتا بھی تھا تو مذہب اُسے سُولی پر لٹکا دیا کرتا تھا۔ جینا حرام کر دیتا تھا اور بنی نوعِ انسان کے لئے شعوری آزادی کے ساتھ زندہ رہنا قطعاً ممکن نہیں رہا تھا۔ کہ مذہب کی غلامی دُنیا کی بدترین قسم کی غلامی سے بھی بدتر ہُوا کرتی ہے۔

اصل انقلاب یہ تھا کہ رسالت مآب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مذہب اور اللہ کے بارے میں، انسان کے مُروجہ تصوّر کی دَھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔ انسان کی زندگی اور سوچوں پر سے ہر قسم کی غلامی کے پہرے ہٹا دئیے۔ انسان پر سے انسان کی حکومت کا تصور تک مٹا ڈالا۔ اور اعلانِ توحید کی ایک صدا کے ساتھ ہی رنگ، نسل، ذات، فرقہ، زبان، امیری، غریبی، اور ہر دیگر قسم کے تمام امتیازات اور فاصلے پاٹ دئیے، مٹا دئیے اور کچلی، دبی اور پسی ہوئی بلکہ مُردہ انسانیت کو گمراہی اور ضلالتوں کی پستیوں سے اُٹھا کر اتنا بلند مقام عطا کیا کہ تاریخ حیرت زدہ اور اُنگشت بدندان ہو گئی۔ پہلے اللہ انسان کی شناخت ہوا کرتا تھا اب انسان، رَب کی پہچان بن گیا۔ اللہ کی بُرہان قرار پایا۔ پہلے یہ حق صرف اللہ ہی کو حاصل تھا کہ وہ انسان سے پوچھ سکے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اور ایسا کیوں نہیں کیا؟ اور اب انسان کو اس حد تک

بلند کر دیا گیا کہ بفرضِ محال اگر اللہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے تو انسان اُس سے پوچھ سکتا ہے کہ ایسا کیوں نہ نہیں ہوا؟ اور اللہ، انسان کے سامنے جواب دہ ہو گا۔۔۔ کانَ علیٰ ربِّک وَعداً مسئولا (۲۵/۱۶) یہ اللہ کا وعدہ ہے اور وعدہ ایسا ہے کہ (بفرضِ محال) اگر یہ پورا نہ ہو تو اُس سے پوچھا جا سکے گا کہ ایسا کیوں نہیں ہوا؟ (بحوالہ کتاب التقدیر از غلام احمد پرویز صفحہ ۲۴۶) پہلے صرف اللہ ہی انسانوں کی مدد کیا کرتا تھا۔۔۔ اب انسان بھی اللہ کی مدد کرنے لگا۔ یا ایہا الذین آمنوا ان تنصرو اللہ ینصرکم (۴۷/۷) اے جماعت مومنین اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (کتاب التقدیر صفحہ ۲۱۵) غرض اللہ کے اِس تصوّر نے انسان کی کایا ہی پلٹ دی۔ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انقلابی روح پھونک دی۔ انسان کا اجتماعی اور ذہنی معاشرہ یکسر بدل کر رہ گیا۔ مذہب کے تراشیدہ معبودز میں بوس ہو گئے اور دین کے عطا کردہ اللہ کے تصور نے انسان کو رفعت و عظمت کے آسمان پر لا بٹھایا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ اللہ ہے کیا؟ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اور انسانوں کے بنائے ہوئے مذاہب اور اسلام کے پیش کردہ تصوّرِ اللہ میں کیا فرق ہے؟ اور ہم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ کیا رشتے ہے؟

مولانا ابو الکلام آزاد سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"نزولِ قرآن سے پہلے بھی اللہ کا لفظ خدا کے لئے بطور اسم ذات کے مُستعمل تھا۔ سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف و اصوات کی ایک خاص ترکیب، معبودیت کے معنوں میں مستعمل رہی ہے اور عبرانی، سُریانی، آرامی، کلدانی، حمیری اور عربی میں (ا۔ ل۔ ہ) کا مادّہ۔ خالقِ کائنات کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ سریانی کا "اُلاہیا" عبرانی کا "الوہ" اور عربی کا "الہٰ" اسی مادّہ کی مختلف شکلیں ہیں۔"

لیکن اللہ کیا ہے یا اس کا عِلم امر کیا ہے اور کیسا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ نہ جان سکتا ہے۔ رسولوں کو بھی اسی قدر علم دیا گیا جس قدر اللہ تعالیٰ نے ضروری سمجھا

بڑی موٹی سی بات ہے کہ زمینوں کی پستیوں اور آسمانوں کی بلندیوں کا خالق ، مالک اور اس تمام کائنات کی وسعتوں اور پہنائیوں کو جو ذات محیط ہو گئی وہ اگر ہماری محدود عقل اور سمجھ میں آجائے تو عظیم اور لامحدود کیسے رہے گی ؟! جو چیز ہماری عقل اور کھوپڑی میں سمٹ آئی وہ تو محدود ہو گئی۔ ہماری کھوپڑی سے بھی چھوٹی ہو گئی۔ لہٰذا بقولِ وحی مکرم نہ ہم اللہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ نہ اُس کی کوئی مثال دے سکتے ہیں کہ کوئی بھی شے اُس جیسی یا اس کی مثیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اب اس واضح حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد بھی کوئی شخص اللہ کو جاننا یا سمجھنا چاہتا ہے تو پھر ایک ہی صُورت ہے کہ وہ اللہ کو ، اللہ ہی کے عطا کردہ قانون کے مطابق سمجھے اور اللہ کے قانون کی بنیاد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ انسانی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ "

(بحوالہ تبویب القرآن۔ از غلام احمد پرویز ایڈیشن اوّل۔ صفحہ ۲۵ سطر نمبر ۲) بلکہ اللہ نے انسان کے ہر عمل کے اندر اس عمل کا نتیجہ رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد انسان سے براہ راست اللہ کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ گویا جو تعلق بھی ہے اب وہ اُس کے قانون کے ذریعہ سے قائم ہے۔ اُس قانون کے ذریعہ سے جو وہ وحی کے ذریعہ سے اپنے رسولوں پر نازل کیا کرتا تھا اور پھر رسولوں سے تمام بنی نوعِ انسان تک پہنچا کرتا تھا۔۔۔ اس قانون پر ایمان لانے کا مطلب ہوتا ہے اللہ پر ایمان لانا اور اس قانون کی اطاعت کا مطلب ہوتا ہے اللہ کی اطاعت کرنا۔

ابن رشد عالم اسلام کا عظیم المرتبت اور نام وَر مفکر ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا اُس کی عظمت کے اعتراف میں لے GREATEST PHILOSPHER OF ISLAM یعنی اسلام کا عظیم ترین فلاسفر کہتا ہے۔ ابن رشد کی تصانیف کا ترجمہ " راجر بیکن " اور جرارڈ آف کری سونا " نے عربی سے لاطینی زبان میں کیا ہے۔ غور سے دیکھئے کہ ابنِ رشد کی دینی تعلیمات کی بُنیاد بھی پانچ باتوں پر ہے وہ لکھتا ہے "

(۱) تمام نظامِ کائنات، قوانینِ قدرت کے مطابق ہی چل رہا ہے۔
(۲) خدا ہر کام میں براہِ راست مداخلت نہیں کرتا۔ یہ سب قانونِ قدرت کے مطابق ہوتا ہے اور یہی خدا کا اصول ہے۔
(۳) انسانی ارادہ آزاد ہے۔ عمل کے نتائج قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔
(۴) معجزہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ قانونِ قدرت کی نفی کرتا ہے۔
(۵) دعا! یا تعویز مصیبت اور طوفان کو نہیں ٹال سکتے ...

(بحوالہ طلوعِ اسلام۔ مئی ۶۰ء صفحہ ۴۸)

اب جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ دیکھتا اور سنتا ہے تو ہرچند اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی کہ وہ دلوں کے حال تک سے باخبر ہے لیکن کس طرح؟ حقیقت میں اس سے مُراد ہوتی ہے کہ اللہ کا قانون ہر لمحہ ہمیں محیط اور نگران ہے۔ اُس کا قانون ہمیں دیکھ رہا اور سُن رہا ہوتا ہے۔ ہم سو رہے ہوں، جاگ رہے ہوں۔ کھلے میدان میں ہوں یا ہزار پردوں میں ہوں، اُس کے قانون کی نظروں میں ہیں۔ وہ ہر لحظہ سامنے ہے، پاس ہے، ساتھ ہے بلکہ ہماری سانسوں اور دھڑکنوں تک میں ہے اور اِس طرح ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے اور ہماری ہر سوچ، ہر عمل کا نتیجہ ساتھ ساتھ مرتب کرتا چلا جا رہا ہے ... جس طرح ہر بیج میں اللہ نے تن آور درخت بننے کے خواص بھی رکھ دئے ہیں اسی طرح انسان کے ہر عمل میں حتیٰ کہ سوچ تک میں، سوچ اور عمل کا نتیجہ بھی رکھ دیا ہے۔ چونکہ یہ نتیجہ خود اللہ ہی کا مقرر کردہ قانون ہے لہٰذا اب انسان کا تعلق صرف اس قانون سے قائم ہو گیا اور براہِ راست اللہ تعالیٰ سے نہ رہا ... اب جو شخص بھی چاہے اللہ کے دئے ہوئے قانون کے مطابق فائدہ اٹھائے۔ جو نہ چاہے نہ اُٹھائے۔ اللہ سے اِس بات کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ فائدہ نہ اُٹھانے پر وہ جہنم رسید نہیں کر دے گا۔ فائدہ اُٹھالینے پر جنت نہیں بخش دے گا۔ یہ جنت اور جہنم انسان خود حاصل کرے گا۔ اپنی ذات کے بیج کی آبیاری اور نشوونما کر کے تن آور درخت بنا لے گا تو اُس کی ثمر باریوں سے وہی

لذتیں اور فائدہ کی جنت پالے گا۔ قانون کو نظر انداز کر دے گا تو وہی محروم اور بے ثمر رہ جائے گا اور محروم ہونے سے جو نقصانات اُسے اور اُس کے متعلقین کو ہوں گے، اُن کا خمیازہ بھی وہی بھگتے گا۔ اللہ سے اِس کا کچھ تعلق نہ ہو گا۔ اِسی بات کو دوسرے زاویئے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہر بیج میں پھل دار درخت بننے کے تمام خواص موجود ہوتے ہیں اب اگر کوئی اُسے "قاعدے قانون" کے مطابق مٹی میں نہیں دباتا۔ یا گرم کھولتا ہوا پانی اُس پر ڈالتا ہے یا برف جیسے یخ پانی سے اس کی آبیاری کرتا ہے تو اس طرح وہ بیج کے سارے خواص (اپنے غلط عمل کی وجہ سے) برباد کر دے گا۔ یہ اُس کا اپنا عمل ہو گا۔ اللہ سے اِس کا کچھ تعلق نہ ہو گا۔ تو پھر اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ کرنا یہ چاہیئے کہ وہ محکمہ زراعت سے گائیڈ لائن یا گائیڈ بک حاصل کرے جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ بیج کو کس طرح بونا کاشت کرنا اور کس طرح اُس کی نشوونما کرنی چاہیئے ہم اِس گائیڈ بک کو بیج کی نشوونما کے لئے محکمہ زراعت کی "کتابِ ہدایت" کہیں گے۔ جس کے مطابق عمل کرنے سے مطلوبہ اور ٹھیک نتائج برآمد ہوں گے اور جسے نظر انداز کر دینے سے نقصان اور وقت اور عمر کا ضیاع ہو گا۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ محکمہ زراعت کی یہ "کتابِ ہدایت" تمام بنی نوع انسان کے لئے ہو گی۔ کالے، گورے، مشرقی اور مغربی یا ماننے اور نہ ماننے والے کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہو گی۔ جو بھی محکمہ زراعت کی اس کتابِ ہدایت کے مطابق عمل کرے گا وہ بہتر نتائج پالے گا جو اس پر عمل سے گریز کرے گا وہ اسکے فوائد سے محروم رہ جائے گا۔ تو ہم سے تعلق ہوا کتابِ ہدایت کا۔ اس پر ایمان لانے اور نہ لانے کا۔۔۔ اس کی اطاعت اور اس سے گریز کا۔۔۔ ہر نتیجہ اسی کے مطابق ظاہر ہو گا اطاعت کرو تو نفع۔۔ اطاعت نہ کرو تو نقصان۔ کتاب لکھنے والے سے اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو گا۔۔۔ ایک اور مثال لیتے ہیں۔

دردِ سر کے علاج کے لئے کسی موجد نے ایک دوا "اسپرین" ایجاد کی اور ہمیں دیدی۔۔۔ اس کا موجد ہمارے سامنے نہیں ہے۔۔ نہ وہ دیکھ رہا ہے نہ وہ سن

رہا ہے۔ یہ ہمارے اپنے اختیار میں ہے کہ ہم "اسپرین" موجد کے جلائے ہوئے نسخہ یعنی قاعدے قانون کے مطابق کھا کر اپنے سر کے درد کا علاج کر لیں یا قاعدے قانون اور ہدایت کو نظر انداز کر کے بے تحاشا کھا کر ہلاکت کا سامان کر لیں۔ صحت پالیں یا مر جائیں۔ موجد کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ نہ وہ صحت دے رہا ہو گا نہ ہلاک کر رہا ہو گا یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی عمل اور ہدایت کو ماننے یا نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہو گا۔ اب کوئی موجد کی تعریف کرے یا گالیاں دے۔ موجد کو تسلیم کرے یا اس کے وجود سے ہی انکار کر دے۔ مانے یا نہ مانے موجد کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ نہ سن رہا ہو گا نہ دیکھ رہا ہو گا بس اپنی دنیا میں محو ہو گا البتہ اُس کا قانون اُس کی ہدایت ہمارے اعمال و کردار کو محیط ہو گی۔ ہماری سوچوں تک پر اثر انداز ہو گی۔

یہی مثال اور یہی تعلق اللہ اور انسان کے مابین ہے کہ اللہ ہے اور اُس کا تعلق انسانوں سے برحق ہے مگر یہ سب ہدایت اور قانون کے ذریعہ سے ہے۔ براہِ راست اللہ سامنے نہیں ہے۔ نہ دیکھ رہا ہے نہ سن رہا ہے بلکہ اُس کا قانون ہر لمحہ اور ہر سانس ہمیں محیط ہے۔ ہم اُس سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔ بھاگ نہیں سکتے۔ اُس سے بچ نہیں سکتے یہ قانون اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ "وحی" ہوتی ہے جو اللہ اپنے رسولوں کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا کرتا ہے اور اس وقت یہ "وحی" اپنی صحیح اور مکمل شکل میں کتاب مکرم یعنی قرآنِ حکیم کی صورت میں ہمارے پاس ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ اور اس پر کسی نسل، گروہ یا طبقہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ سب کے لئے ہے۔ ساری دنیا کے لئے ہے۔ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ہے۔ جو چاہے اس سے دوامی امن، سکون اور مسرت کے خزانے حاصل کر لے اور جو نہ چاہے وہ اپنے لئے تباہی اور ہلاکت کا سامان کر لے۔

یہ تھا وہ انقلابی پیغام محمدؐ جس نے پل بھر میں انسان کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔ یکدم اندھیرے سے انسان روشنی میں آگیا۔ خود سراپا انقلاب بن گیا وہاں بات،

تصوّرِ ایمان بدلنے کی نہیں تھی، تصوّرِ حیات بدلنے کی تھی، معبوُد بدلنے کی نہ تھی، نظام بدلنے کی تھی، کائناتی سماج بدل دینے کی تھی۔ اللہ کے اختیار کی نہیں تھی، انسان کی کامل آزادی اور خود مختاری کی تھی۔ غور تو کرو کہا کیا گیا تھا۔ اس چار لفظی انقلابی پیغام کا مفہوم کیا تھا۔؟۔ لَآ اِلٰہَ اِلاّ اللہ۔ ”اللہ کے قانون کی حُکمرانی کے سوا کچھ ہے ہی نہیں“ اسی کی اطاعت اور محکومی کا نتیجہ عزت و کامرانی اور جنّتِ دوامی ہوگا۔ کل تک تمہاری زندگی کی فلاح و بقا کا دار و مدار اللہ کے ”رحم و کرم“ پر مبنی تھا۔ آج سے اُس کے قانونِ ہدایت پر عمل کر کے مطلوبہ نتائج تم خود حاصل کرو گے۔ اور اس اعلانِ عظیم کے ساتھ ہی انسانی ذہن کے تراشیدہ، وضع کردہ تمام بُت ٹوٹ گئے اور سب سے بڑا بُت جو ”تصورِ تقدیر“ تھا خود انسان کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔۔۔ قدم بوس ہو گیا۔۔۔۔

دوستو! سرزنش، تنبیہ، ہدایت، قانون کا تعلق تو ہوتا ہی عمل سے ہے۔ قانون، عمل کے لئے ہی بنایا جاتا ہے اور نافذ کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر نافذ کیا جاتا ہے جو آزاد ہو، خود مختار ہو، اپنی مرضی کا آپ مالک ہو۔ غلط یا صحیح جو عمل بھی کرنا چاہے، کر سکتا ہو۔۔۔ یہ زمین آسمان کی گردشیں۔ یہ کائناتی نظام کی کروٹیں، یہ کُرّے یہ ستارے اور سیّارے اور ہماری دنیا کے یہ موسم، یہ نباتات، حیوانات اِن کے لئے نہ کسی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے نہ رُشد و ہدایت کی۔ نہ ضابطوں اور قوانین کی نہ اِن کے لئے کوئی رسول آتا ہے نہ وحی۔ نازل ہوتی ہے۔ اِن کی ہدایت اِن کے قوانین اِن کی تقدیریں اور ”وحی“ اِن کے اندر ہی (Feed) کر دی گئی ہیں اِس لئے یہ سب اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتے اور اسی لئے اِس کائنات میں ایک پتا بھی اپنی مرضی سے نہیں ہِل سکتا بلکہ قانونِ قُدرت اور اِن کے اندر ودیعت (Feed) کردہ ”وحی“ کے مطابق ہلا کرتا ہے۔

انسان۔ خود کو بھی اِسی طرح کی ”مجبور“ شے تصور کرتا تھا اور اسی لئے اپنے لئے جو مذہب اور عقیدے تراشتا تھا اور معبود بناتا تھا اُن کے بارے میں بھی غالب عقیدہ۔ یہی رکھتا تھا کہ وہ مالک و مختار ہیں اور انسان یعنی اُس کے بندے

مجبورِ محض اور ان کے رحم و کرم کے محتاج۔

یہ انقلابِ محمدؐ تھا جس نے انسان کو، اُس کے مقام و مرتبہ سے آگاہ و آشنا کیا اور "تقدیر" کی غلامی سے نجات دلا کر آزادی و خود مختاری عطا کی۔۔۔ اور اللہ کا اس سے رشتہ یا تعلق، اُس کے عطا کردہ قوانین کے ذریعے سے جوڑا۔ ان قوانین کے نزول کے بعد جو "وحی" کے ذریعے سے عطا کئے گئے، انسان سے اللہ تعالیٰ کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب جو فرد یا قوم کتاب الٰہی کی اطاعت کرے گی۔ بہتر نتائج یعنی جنّت کی حقدار ہو جائے گی جو ایسا نہیں کرے گی محروم رہ جائے گی۔ اور محرومی کے اِس جہنّم کا تعلق، مرنے کے بعد کی زندگی سے ہی مختص نہیں ہو گا۔ دُنیاوی اور اُخروی دونوں زندگیوں سے ہو گا۔۔۔

جب ہم بیج کو مٹی میں دبا دیتے ہیں تو وہ دُوسرے ہی لمحے سے، درخت بننے کے (Process) سے گزرنا شروع ہو جاتا ہے اب ہم اگر مرجائیں تو درخت تو پھر بھی پیدا ہو کر رہے گا۔ اِسی طرح جونہی ہم اپنے عمل کا بیج بوتے ہیں تو دُوسرے ہی لمحے سے وہ اپنے خاص Process سے گزرنا شروع ہو جاتا ہے۔ اِس دَوران میں اگر مہلتِ حیات ختم ہو جائے اور ہم مر جائیں تو بھی اپنے کئے ہوئے عمل کے نتیجہ سے نہیں بچ سکیں گے۔ وہ نتیجہ اُخروی زندگی میں ظاہر ہو جائے گا۔ ہم۔ نتیجہ بُھگت کر رہیں گے۔ سو اِس کا تعلق نہ اللہ سے ہوا۔۔ نہ دُعاؤں سے رہا۔۔ نہ سفارش اور کسی کی شفاعت سے رہا۔ نہ قرآن خوانی، صدقہ خیرات سے رہا۔ اِس کا تعلق صرف اور صرف ہماری نیت، ارادہ اور اختیارِ عمل سے ہُوا۔

آخرت برحق۔۔ حساب کتاب برحق۔۔ جنت دوزخ برحق۔ گناہ و ثواب برحق لیکن چونکہ اِن کی حقیقت نظروں کے سامنے نہیں ہے کہ یہ سب کیسے ہیں، کس شکل میں ہیں لہذا ہمارے لئے صرف کتابِ ہدایت کتاب اللہ (قرآن کریم) ہی کافی ہے۔ اِسی کا اتباع ضروری ہے۔ اِسی پر ایمان لانا دراصل اللہ پر ایمان لانا ہے۔ جو کچھ ملے گا اِسی کی ہدایت کی روشنی میں عمل کرنے سے ملے گا۔ براہِ راست اللہ نہ کسی کو عزت دے گا نہ ذلت دے گا بلکہ اُس کے عطا کردہ قانون کی رُو سے جو فرد یا

قوم بھی چاہے گی از خود شرف حاصل کرلے گی جو نہیں چاہے گی ذلّت و خوار ہو جائے گی۔ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ کا یہی مفہوم ہے۔

ایک انسان، دوسرے انسان پر ظلم کرتا ہے۔ قتل کرتا ہے۔ بے عزت و بے عصمت کرتا ہے۔ اللہ براہِ راست اس کا ہاتھ نہیں روکے گا کہ اس کا کوئی تعلق براہِ راست ہوتا ہی نہیں ہے البتّہ جو عمل بھی کیا گیا ہے اُس عمل کا نتیجہ ضرور ظہور پذیر ہو گا۔ ہو کر رہے گا۔ عین ممکن ہے نتیجہ ظاہر ہونے میں کچھ دیر ہو جائے کیونکہ ہر عمل، ایک خاص Process سے گزرتا ہے۔۔ بیج ایک ہی دن میں درخت نہیں بن جاتا۔ دوا دوسرے ہی لمحے اثر نہیں کرتی، بچّہ پلک جھپکنے میں جوان نہیں ہو جاتا۔ شادی کے دُوسرے ہی دن بچّے کی ولادت نہیں ہو جاتی۔ ہر چیز اور ہر عمل، اللہ کے قانون کے مطابق ایک خاص Process (مرحلے) سے گزرتا ہے، پھر نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی چکی دیر میں پستی ہے مگر بہت باریک پیستی ہے۔ اس پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی کو مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ یہی غیب پر ایمان لانا ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانا ہی، اللہ پر ایمان لانا کہلاتا ہے۔۔

اب ایک بات اچھی طرح اور سمجھ لیجئے کہ خارجی کائنات میں تو اللہ تعالیٰ کی ذمّہ داریاں از خود پوری ہوتی ہیں۔ لیکن انسانوں کی دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنی ذمّہ داریاں خود پوری نہیں کرتا بلکہ اپنی ذمّہ داریاں بھی انسانوں کے ہاتھوں سے پُوری کراتا ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم کرتا ہے، قتل کرتا ہے، بے عزت و بے عصمت کرتا ہے اور اللہ اس ظالم کا ہاتھ نہیں پکڑتا اُسے نہیں روکتا تو اس سے یہی مُراد ہے کہ چونکہ انسانوں کی دُنیا کے معاملات، اللہ انسانوں ہی کے ہاتھوں سے پُورے کراتا ہے لہٰذا براہِ راست وہ خود کچھ نہیں کرتا اور یہ بات کہنے کے لئے میرے پاس قرآن سے حوالے موجود ہیں دلیل موجود ہے۔

صدرِ اوّل کی تاریخ کے اُس دَور کو سامنے لائیے جب کچھ مومنین مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے اور ظالموں کے ہاتھ سے محفوظ ہو گئے تھے لیکن بہت

ے مومنین تھے جو ہجرت نہیں کر سکے تھے اور مکّہ ہی میں رہ گئے تھے اور کُفار کے ظلم کا نشانہ بن گئے تھے۔ کفار اُن پر اس قدر سختیاں کرتے تھے کہ اُن مومنین کے لئے سانس لینا دُوبھر ہو گیا تھا۔ وہ رات بھر جاگتے۔ روتے۔ گڑگڑاتے اللہ سے فریاد کرتے کہ کافروں کے ظلم سے بچالے۔۔۔ وحشت و بربریت اور کفار کے عذاب سے نجات دِلا دے۔ وہ سب آج کے نہیں صدرِ اوّل کے مومنین تھے۔ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے لوگ تھے، رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے لوگ تھے رسول اللہ کے تربیت یافتہ لوگ تھے۔ اولاد، ماں باپ۔ رشتہ کنبہ دار، برادری، قبیلہ اور دوست احباب سب کو ترک کر کے چھوڑ کے سب کی مخالفتیں مول لے کر اللہ پر ایمان لائے تھے اور اِس وقت اللہ کے حضور میں ہی گڑگڑا رہے تھے۔ رو رہے تھے فریاد کر رہے تھے اور اللہ۔۔۔؟ وہ کیا کر رہا تھا؟ وہ جو کائنات کا خالق ہے اور تمام قوتوں کا مالک ہے۔ چاہتا تو پل بھر میں کفار کو ہلاک کر سکتا تھا۔ اُن کے ظلم کرنے والے ہاتھوں کو مفلوج کر سکتا تھا۔ سب کچھ کر سکتا تھا لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا وہ انسانوں کی دُنیا میں اپنی ذمّہ داریاں بھی انسانوں ہی سے پُوری کرایا کرتا ہے، سو اُس نے مکہ میں رہ جانے والے اور سسکتے بلکتے مومنین کے لئے بھی۔۔۔ براہِ راست کچھ نہیں کیا۔ از خود کچھ نہیں کیا۔ پھر کس طرح نجات دلائی ظلم و ستم سے؟ خود اُسی کے الفاظ میں سنئے۔ قرآن کا حوالہ ہے (4/75)۔ اُس نے مکہ کے مظلومین کی فریاد کے جواب میں، مدینہ ہجرت کر جانے والے مسلمین کو لتاڑا اور للکار کر کہا۔

"اے مدینے کے مُسلمو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ظلم کی مدافعت کے لئے میدانِ جنگ میں نہیں آتے۔ کیا تم سُنتے نہیں ہو کہ مکہ کے مظلوم و ناتوان اور بے کس مجبور مرد عورتیں اور بچے کس طرح بلک بلک کر۔ ہم سے فریاد کر رہے ہیں؟ اور پکار پکار کر ہم سے کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رَبّ ہمیں اس بستی سے نکالنے کی کوئی صُورت پیدا کر۔ جس کے رہنے والوں نے ہم پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے نشوونما دینے والے تو اپنی طرف سے ہمارے

لئے کوئی حامی و مددگار بھیج۔ کسی کو ہمارا نجات دہندہ بنا۔"

یہ بات کیا ہوئی؟ مکّہ کے مومنین پر ظلم توڑ رہے ہیں کفار اور وہ مظلومین تڑپ تڑپ کر پکار رہے ہیں لا محدود قوتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کو۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو براہِ راست کچھ کہنے کے بجائے مدینے کے مسلموں کو للکار رہا ہے۔ وہ کیا اُن کی آہ و فغاں تمہارے کانوں تک نہیں پہنچ رہی؟۔ کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے کہ وہ کس طرح تڑپ تڑپ کر تمہیں پکار رہے ہیں۔ تم ان کی مدد کے لئے اٹھتے کیوں نہیں؟ کفار سے جنگ کیوں نہیں کرتے؟ انہیں سزا کیوں نہیں چکھاتے؟۔

قرآنِ مکرّم کا ایک اور حوالہ ہے 22/40 ۔ فرمایا کہ انسانی دنیا میں ہمارے کام انسانی ہاتھوں سے ہی انجام پایا کرتے ہیں الجہیم کیا یہ کرتے ہیں وَلَيَنصُرَنَّ اللہ مَن يَنصُرُہ "ہمارے پروگرام کی تکمیل میں جو ہماری مدد کرتا ہے ہم اُس کی مدد کیا کرتے ہیں۔"

دوستو! یہ ہے وہ مقام جس نے سوچوں کی جہتیں بدل کر رکھ دی تھیں یہ تھا وہ انقلاب جس نے زندگی کا مفہوم اور انداز ہی بدل دئے تھے۔ پہلے تصوّر یہ تھا کہ انسان مجبورِ محض تھا اور انسانوں کی مدد، اللہ کیا کرتا تھا۔ انقلاب یہ آیا کہ انسان اِس قدر بلندیوں پر فائز کر دیا گیا کہ وہ اللہ کی پروگرام کی تکمیل میں اللہ کی مدد کرنے لگا۔ کل تک مدد کے لئے، انسان اللہ کو پکارا کرتا تھا اور آج ربِّ مکرّم فرما رہا ہے وَلَيَنصُرَنَّ اللہ مَن يَنصُرُہ "اللہ کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔۔۔"

دو قرآنی حوالے اور دیکھ لیجے کہ بات اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے۔ ایک حوالہ ہے۔ ۶\۱۵۲۔ اس کا مفہوم ہے کہ

"ہم تمہارے رزق کے بھی ذمّہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔ (ذمّہ دار ہیں)۔"

دوسرے حوالہ کا نمبر ہے ۱۱\۶ جس کا مفہوم ہے۔

"زمین میں کوئی ذی حیات ایسا نہیں ہے جس کے رزق کی ذمّہ داری اللہ کی

نہ ہو۔"
ان دونوں حوالوں کو ذہن میں رکھئے اور پھر دیکھئے کہ جب رزق کے سرچشموں پر چند افراد نے قبضہ کر کے لاکھوں انسانوں کو بھوک کے عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا اور بھوک سے مرتے ہوئے لوگوں نے اللہ سے اس ظلم کے خلاف فریاد کی تو کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور اُن کی اولاد کو رزق دینے کی ذمّہ داری خود پُوری کی؟ نہیں۔ اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کہا۔

"اَنُطعِمُ مَن لَّو یَشَآءُ اللّٰہُ اَطعَمَہٗ۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟۔۔ ہم ان لوگوں کو روٹی کھلائیں جو بھوکے مرتے ہیں؟ اگر اللہ یہ چاہتا کہ یہ بھوکے نہ رہیں تو انہیں خود رزق عطا کر دیتا اور فراوانی سے عطا کر دیتا۔ تم، رزق کے وہ سرچشمے، جنہیں سامانِ زیست کے طور پر، اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے ان پر بند لگا کر مت بیٹھ جاؤ۔ انہیں کُھلا رکھو تاکہ دُنیا میں کوئی بھوکا نہ رہے۔"

آپ نے دیکھا کہ انسانوں کی دُنیا میں انسانوں کی ضرورتیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی کے ہاتھوں سے پُوری کراتا ہے۔۔ "دوسروں کی روٹی کا انتظام تم کرو"، "دوسروں کو تحفظ تم دو۔"۔۔۔ "دوسروں کی مدد تم کرو"۔۔ "کسی پر ظلم، زیادتی اور نا انصافی ہو تو انصاف تم کرو" اور اس سارے عمل کو وہ اپنی مدد سے تعبیر کرتا ہے اِسے اللہ کی مدد کرنا کہتا ہے۔

اب تک جو باتیں ہمارے سامنے آئیں وہ مختصراً یہ ہیں:

○ اسلام سے پہلے اللہ کا تصوّر بڑا غیر واضح اور مضحکہ خیز تھا۔ اللہ صرف ایک ڈراؤنی طاقت تھا اور پرستش پُوجا بھگتی اور عبادت کے لئے تھا۔۔۔ چونکہ یہ تصوّر انسانی ذہن کا خود تراشیدہ تھا اس لئے اس میں ساری صفات بھی کسی مُطلق العنان، جابر، ظالم حاکم جیسی تھیں اُس کے ہاں کوئی قاعدہ، قانون، انصاف اور عدل نہیں تھا سب کچھ اُس کی رحمت اور رَحم و کرم پر ہی منحصر ہوتا تھا۔

○ رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنی نوعِ انسان کو اس غلط تصوّر سے

نجات دلائی اور الہٰ کا بالکل اچھوتا، حقیقی اور واضح تصور دیا جس میں کوئی تضاد نہ تھا اور کوئی الجھاؤ نہ تھا۔ یہ الہٰ کسی خوف، ڈر اور دہشت کی علامت نہیں تھا بلکہ سکون، امن، آزادی اور خود مختاری کی ضمانت تھا۔

○ چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اور لامحدود چیز، محدود عقل میں نہیں سما سکتی اور نہ سمجھی جا سکتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کو بھی کسی مثال اور تشبیہ سے واضح نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ہم اسی قدر سمجھ سکتے ہیں جس قدر خود اللہ تعالیٰ نے "وحی" کے ذریعہ سے اپنے بارے میں جتایا ہے۔

○ چونکہ ساری کائنات کسی نظام کے تحت سرگرمِ عمل ہے اور یہ نظام اللہ کی "وحی" یعنی کسی ضابطے اور قانون کا پابند ہے لہذا ہم اللہ کو بھی اُس کے ضابطے اور قانون ہی کے ذریعے سے سمجھ سکتے ہیں۔

○ جو ضابطہ، قانون یا ہدایت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے وہ قرآنِ کریم ہے اس کا تعارف خود اللہ نے یہ کہہ کر کرایا ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔ ضابطۂ حیات ہے۔ غیر متبدل ہے۔ اٹل ہے۔ قیامت تک کے لئے ہے۔ ہر فیصلہ عدل و انصاف اسی کے مطابق ہوگا۔ اس کو تسلیم کرنے والا ہی مومن ہوگا اور جنت کا حقدار ہوگا۔ اور اس کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے کافر کہلائیں گے اور جہنم میں جائیں گے (۵\۴۴)۔

○ چونکہ قانون، ضابطے آئین اور دستور کو کہا جاتا ہے لہذا اس کا تعلق جذبات اور اندھی عقیدت سے نہیں ہوتا بلکہ عقل سے ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ سمجھے جانے کی چیز ہے۔ محض منتر۔ اشلوک کی طرح پڑھنے پھونکنے، دم کرنے، چومنے چاٹنے کی چیز نہیں ہے اور نہ یہ تعویز گنڈوں کے لئے ہے بلکہ عمل کے لئے ہے۔ قانون تو ہوتا ہی عمل کے لئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اس پر عمل کرنے پر زور دیا ہے۔۔ "تتفکرو!!" (۳۴\۴۶) غور و فکر کرنے پر زور دیا ہے۔ "افلا تیدبرون القرآن" (47/24 . 4/52) قرآن کریم میں تدبر کرنے کو کہا ہے۔ لہذا مذہب کا یہ دعویٰ باطل قرار پایا کہ "اس میں عقل کو دخل نہیں ہے"۔

O اللہ تعالیٰ نہ کسی کو عزت دیتا ہے نہ ذلیل کرتا ہے۔ نہ امیر کرتا ہے نہ حقیر و فقیر بناتا ہے۔ نہ تباہ و برباد کرتا ہے، نہ ہنساتا ہے نہ رُلاتا ہے۔۔۔ نہ صحت دیتا ہے نہ بیمار ڈالتا ہے یہ سب کچھ انسان اور انسانی سماج کے پیدا کردہ اعمال کے نتائج ہُوا کرتے ہیں جو اللہ کے دیئے ہوئے ضابطے یعنی قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے سامنے آتے ہیں۔

"قانونِ مکافاتِ عَمل ہی کا دُوسرا نام اللہ کا حُکم ہوتا ہے۔" (68/48، 52/48، 40/48، 39/3، 27/78، 22/56، 10/109، 7/87)

اِس قانون کی رُو سے جو چاہے اپنی زندگی سنوار لے، جو چاہے اپنی ذات کی نشوونما کرلے۔ اِس قانون کی سعی و عمل میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ "وہ اپنا نتیجہ ٹھیک مُرتب کرتا چلا جاتا ہے۔ (۵\۵۰ والمحصنت) "اِن سے کہہ دو کہ جو لوگ بھی قوانینِ الٰہی کی صداقت سے انکار کریں گے اور ان سے سرکشی اختیار کریں گے وہ تباہ و برباد ہوکر رہیں گے (آگے چل کر فرمایا) اِس لئے کہ اللہ کا قانونِ مکافات، بڑی قوتوں کا مالک اور اپنی جگہ محکم ہے۔ سنکھیا کھانے والا ہلاکت سے کیسے بچ جائے گا؟" (۵\۵۶ مفہوم القرآن جلد اول صفحہ ۹۶)

O "ہر واقعہ اِسی قانونِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔" (57/22) "حتیٰ کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ بھی، حق کو حق ثابت کرنے کے لئے اپنے قوانین کو ذریعہ بناتا ہے۔" (10/82) اِسے پھر سُن لیجیے۔ اِسے پھر سمجھ لیجیے۔ یہ کوئی انسان نہیں کہہ رہا خود اللہ فرما رہا ہے اور اس کا حوالہ نمبر ہے ۱۰\۸۲۔ کہ "حق کو حق ثابت کرنے کے لئے خود اللہ بھی اپنے قوانین ہی کو ذریعہ بناتا ہے۔" اور قانون کا تعلق و تصوّر تو وابستہ ہی عدل و انصاف سے ہے۔ عمل سے ہے وہاں جذبات کا سرے سے کوئی گزر ہی نہیں ہوتا۔ جذبات حاوی ہوجائیں تو انصاف ہو ہی نہیں سکتا اور بات جب عادلِ مُطلق اللہ کی ہو رہی ہو، صاحبِ میزان کی ہو رہی ہو تو یہ سوچنا بھی کتنا بڑا کفر ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہوکر، کسی کی دعاؤں سے متاثر ہوکر، کسی کی حُکم عدولی سے طیش میں آکر، انصاف کو ترک کردے گا کسی کو عزت

دیدیگا یا کسی کو ذلیل و حقیر کر دے گا ــــ

دوستو! جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ خود اپنے قوانین ہی کو ذریعہ بناتا ہے اور اُس کے قانون کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہوتی ہے اور قرآنِ مُکرّم قیامت تک کے لئے طے شُدہ ضابطہ حیات ہے، قانون کی کتاب ہے تو دین اور مذہب کا فرق بھی نکھر کر اور اُبھر کر سامنے آ گیا کہ مذہب صِرف بھگتی اور پرستش کی چیز ہوتا ہے اور دین سَراپا عمل اور قانون ہُوا کرتا ہے جس سے انسان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا حتیٰ کہ دِل سے گزرنے والے خیال پر بھی اُس کی گرفت ہوتی ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ہر عمل میں، اللہ نے اُس عمل کا نتیجہ بھی رکھ دیا ہے۔ اچھے عمل کا اچھا نتیجہ۔ بُرے عمل کا بُرا نتیجہ۔ جُونہی انسان اپنے عمل کا آغاز کرتا ہے یا عمل کے لئے سوچنے کی ابتداء کرتا ہے۔ نتیجہ اُبھرنے لگتا ہے -- اِس نتیجہ سے کوئی بچ نہیں سکتا حتیٰ کہ مَوت بھی اِس کو روک نہیں سکتی۔ زندگی میں یہ نتیجہ ظاہر نہیں ہو سکا تو مَوت کے بعد ظاہر ہو گا --- بہر حال ہو کر رہے گا --- اور اِس بات کا تعلق انسان ہی سے نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے اللہ کے مقرّر کردہ قانون کی پابند ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کے بغیر پتّا بھی نہیں ہِل سکتا تو اِس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ پتّا تک بھی اُس کے قانون کے مطابق ہِلا کرتا ہے ــــ

○ اِنسانوں کی دُنیا میں ---- اِنسانوں کے معاملات اور ضرورتیں، اللہ خود پُوری نہیں کرتا بلکہ وہ انسانوں ہی کے ہاتھوں سے پُوری کرایا کرتا ہے اور جو لوگ اللہ کے دِئے ہوئے قوانین کے مطابق ایسا کرتے ہیں وہ دَراصل، اللہ کے پروگرام کی تکمیل کرتے ہیں۔ اِس لئے اللہ اسے اپنی مدد۔ قرار دیتا ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کو مومن کے لقب سے پکارتا ہے ــــ

دوستو! یہ جان لینے کے بعد، اب یہ بھی سمجھ لیجیے کہ دُنیا کا کوئی بھی فارمُولا ہو --- وہ اپنا نتیجہ اُسی صُورت میں مُرتب کرے گا جب اُسے مکمل طور پر یعنی پُورے کا پُورا عمل میں لایا جائے ورنہ وہ فارمُولا صحیح نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا --- قرآن بھی

ایک فارمولا ہے جو اللہ نے اس دعوے کے ساتھ نازل کیا ہے کہ اس کے نتائج جنت بداماں ہوں گے اور انسان ان درخشاں نتائج کو پاکر حیرت زدہ رہ جائے گا لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اسے مکمل اجزا کے ساتھ پورے کا پورا اپنایا جائے۔ اس کے کسی ایک حصّہ پر ایمان لانا اور دوسرے حصّہ کو نظر انداز کر دینا، کوئی فائدہ نہیں دے گا بلکہ اس سے دو شدید اور انتہائی منفی نتیجے ظاہر ہوں گے۔ پہلا نقصان تو اس پر ادھورے عمل اور ادھورے ایمان سے یہ ہوگا کہ دین تو آپ کو کیا ملے گا، دُنیا بھی ہاتھ سے چلی جائے گی نہ دنیا کے رہیں گے نہ دین کے۔ وقت بھی ضائع ہوگا۔ عمر بھی برباد ہوگی۔ دُنیا بھی مذاق اُڑائے گی اور پچھتاوے اور پشیمانی کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ آج ہم ایک انوب نام نہاد مسلموں کو کرنا پڑ رہا ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ قرآن کے ایک حصّہ پر ایمان اور دوسرے حصّے سے گریز کے نتیجہ میں اس کے نتائج مثبت نہیں نکلیں گے لہٰذا غیر مسلم اقوام کو مذاق اُڑانے کا موقع مل جائے گا اور ہماری یہ ناکامی اسلام اور قرآن کی ناکامی سمجھی جانے لگے گی لہٰذا ہمیں نہایت ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم قرآن پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ اگر دل و دماغ کا جواب "ہاں" میں ہے تو پھر ہمیں مکمل طور پر پورے کا پورا دین کو تسلیم کرنا پڑے گا اور اسے اپنا ضابطۂ حیات بنانا پڑے گا۔ ایسا کرنے کو اللہ کے ساتھ ایک معاہدہ یا ایگریمنٹ کہا جاتا ہے جس کی رُو سے ایک مومن اپنی کُل متاعِ حیات، آل اولاد، حتیٰ کہ اپنی سوچیں تک اور اس سے آگے جان تک اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ، دُنیا اور آخرت دونوں میں سرفرازیاں کامرانیاں اور جنّت کی ضمانت عطا کرتا ہے۔

آئیے اس ایگریمنٹ کی بنیادی شرطیں یا شقیں بھی دیکھ لیں تاکہ اللہ کے ساتھ ایگریمنٹ کرتے وقت کسی قسم کا ابہام درمیان میں نہ رہ جائے۔

(۱) کوئی انسان کسی جائیداد اور زمین کا مالک نہیں ہو سکتا کہ زمین اللہ کی ہوتی ہے اور تمام بنی نوعِ انسان کے لئے کھلی ہوتی ہے، سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ (41/10) اِس میں ہر ضرورت مند کے لئے برابر کا حصہ ہوتا ہے۔

(۲) اسلام میں ذاتیں، یعنی شیخ، مرزا، سید وغیرہ اور گوت اور پیشے کے امتیاز کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اصل شے ایمان ہوتی ہے۔(26/111) پھر سُن لیجیے اسلام میں نسل پرستی نہیں ہے۔ اور وہ ایمان کے معاملہ میں کام اور پیشہ کچھ معنی نہیں رکھتے۔" (26/112)

(۳) "وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔" (2/124) لہذا جو لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد۔ بیٹی، داماد، نواسے یا خاندان کے حوالے سید کہلاتے ہیں اور اس طرح خود کو منفرد، برتر اور محترم بنا لیتے ہیں دراصل وہ اپنے اور دوسرے انسانوں کے درمیان امتیازی فرق پیدا کر لیتے ہیں اور انسانوں میں فرق کرنا کفر بلکہ شرک بن جاتا ہے۔ اسی طرح چودھری، میاں، رانا، خان اور دیگر حوالوں سے دوسرے انسانوں سے بلند اور ممتاز ہو جانے کا تصور بھی غیر انسانی اور غیر اسلامی ہو جاتا ہے۔

(۴) اسلام میں نہ کوئی سُنّی ہوتا ہے نہ شیعہ۔ نہ اہلِ حدیث اور نہ اہلِ قرآن --- فرقہ بندی، گروہ بندی، اور پارٹی بازی شرک ہوتی ہے اور واضح ترین الفاظ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرماتا ہے کہ --- "وہ اے رسول تیرا اُن سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہوگا جو خود کو کسی فرقے، گروہ یا پارٹی سے متعلق کر لیں گے۔" (6/160) فرقہ بندی کے خلاف جس قدر تنبیہ کی گئی ہے اور اسے بدترین قسم کا شرک کہا گیا ہے شاید ہی کسی اور چیز کے متعلق اتنا کہا گیا ہو۔

قرآن کریم کے چند حوالہ نمبر ہیں۔

(9/107. 6/159. 28/4. 30/31-32. 42/13-14. 3/105-107. 3/103) "وہ فرقہ بندی (بدترین شرک ہے 42/13 "وہ مُسلم ہی نہیں رہتا جو اپنے آپ کو فرقہ میں شمار کر لیتا ہے 30/31

(۵) سُود لینے والا اور سُود دینے والا دونوں کافر بلکہ مُشرک ہوتے ہیں اور یہ اتنا بڑا اور بھیانک جُرم ہے کہ اللہ نے اپنے اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیتا ہے۔ 2/279 اور اِس وضاحت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ آج کی دنیا میں بنک اور بینکنگ سِسٹم کی بنیاد ہی سُود پر ہے۔ سو اِس میں حصّہ لینے والے۔ اِسے فروغ دینے والے اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف مُعروفِ جنگ ہیں۔

(۶) گھروں میں ملازم رکھنا۔ اُنہیں حقیر سمجھنا۔ اپنے سے کمتر جاننا اور اُن سے اپنی اطاعت اور غلامی کرانا، تعلیماتِ قرآنی کے یکسر خلاف ہے۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ (17/70) دنیا کے تمام انسان (مَرد اور عورت) برابر کی عزت و تکریم رکھتے ہیں اور اطاعت، بندگی، غلامی، محکومی صرف رَبّ العزّت کی ہے۔۔۔ ہم آپ تو کجا، رسول بھی یہ اختیار نہیں رکھتے تھے کہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائیں۔ پیغمبری کا مقام مِل جانے کے بعد کسی بھی رسول کے گھر میں کوئی ذاتی خدمت گار اور ملازم نہیں ہُوا کرتا تھا حتیٰ کہ کسی صحابی کے گھر میں کوئی ذاتی ملازم یا ملازمہ نہیں تھی

(۷) ہر وہ کمائی اور پیسہ جس کے حصول میں اپنی محنت شامل نہ ہو، حرام قرار دیدی گئی۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، 53/39 انسان کے لئے بس اتنا ہی ہے جتنی اس میں اُس کی محنت شامل ہے۔ یہ پرائز بانڈ، لاٹری کے ٹکٹ۔ ریفل ٹکٹ قُرعہ اندازیاں، جمع شُدہ دولت پر Interest اِنشورنس کی رقم، بینک کے کھاتے، سیونگ سرٹیفکیٹس، دوکانوں اور مکانوں کے کرائے۔ زمین کی بٹائی، سلیپنگ پارٹنرشِپ غرض ہر وہ کمائی جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو، قرآن کی رُو سے نہ صرف حَرام ہے بلکہ جو لوگ اس طریقہ سے دولت کماتے ہیں ان کے لئے عذابِ شدید ہے۔۔۔ قرآن کا حوالہ ہے 35-9/34 غور سے سُن لیجیے۔ فرمایا

"وہ ان سونے اور چاندی کے سِکّوں کو جہنّم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پُشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا (اور محنت کے بغیر

حاصل کر رکھا تھا) سو اب اس کا مزہ چکھو۔"

(۸) تمہارے پاس، یعنی ضرورت سے زائد جو بھی کچھ ہے وہ دوسرے ضرورت مندوں کے لئے (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کھلا چھوڑ دو اور جب دوسروں کو دو تو نہ اس کا احسان جتاؤ، نہ اعلان کرتے پھرو حتیٰ کہ شکریہ تک کے طلبگار نہ بنو۔ (سورۂ رحمٰن)

(۹) دوستو! شرک یہی نہیں ہوتا کہ ہم اللہ کے بجائے کسی بُت کی پوجا پرستش کرنے لگیں۔۔۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو، ہم اُس کے قانون کے ذریعہ ہی سے کچھ سکتے ہیں اور اللہ کی اطاعت و بندگی کا مطلب دراصل اس کے قانون کی اطاعت و بندگی ہوتی ہے لہذا جب ہم اللہ کے قانون کی جگہ کسی انسان کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت قبول کرلیتے ہیں تو گویا ہم اس قانون کو اللہ کے قانون کے مترادف بنالیتے ہیں اور یہ شرک بن جاتا ہے۔۔۔ مثلاً یہ جس قدر بھی "فقہ" ہیں۔ حنفی، جعفری، مالکی، حنبلی وغیرہ۔۔۔ یہ تمام کے تمام کسی نہ کسی انسان کے بنائے ہوئے شرعی قوانین ہیں خواہ وہ انسان کتنا ہی بلند مقام و مرتبہ کا ہو مگر تھا تو انسان۔ اب اللہ کی کتابِ قانون قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی بھی انسان کے وضع کردہ فقہ کی پیروی، اس کا اِتباع اور اسے زندگی کی معمولات پر منطبق کرنا۔ یعنی پہچان اور حوالہ بنانا، حقیقت میں اس فقہ اور فقہ بنانے والے کی اطاعت، ہی ہوگا اور عملاً اس بات کا اقرار ہوگا کہ ہم نے اس فقہ کے علاوہ باقی تمام قوانین کا انکار کر دیا ہے اور تقلید و اِتباع کے لئے اسی کو ذریعہ قرار دیا ہے۔ سوچیئے کیا اس طرح ہم قرآنِ مکرم کی اطاعت و اِتباع کا انکار نہیں کر دیتے؟ قرآن کو مسترد نہیں کر دیتے؟! اطاعت تو صرف اور صرف اللہ اور اس کے قوانین ہی کی ہے۔۔۔ باقی جو کچھ ہے شرک ہے اور اعلانیہ شرک ہے۔۔۔ سنئے قرآن پکار پکار کر کیا کہہ رہا ہے۔

"۔۔۔ جو شخص اللہ کے قوانین کے ساتھ، انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو شامل کرلے یا ان کے علی الرغم، اپنے جذبات ہی کی اطاعت شروع کر دے۔ (45/23) یا جو صفات اور قوتیں صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں، ان میں

دوسروں کو بھی شریک کرلے تو اس روش کے تباہ کن نتائج سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ یہ تصور کہ کائنات میں اللہ کے علاوہ اور بھی صاحب اقتدار ہو سکتا ہے۔۔ یہاں اس کے علاوہ کسی اور کا قانون بھی چل سکتا ہے، ذہنِ انسانی کا خود ساختہ تصور ہے جو بڑی غلط بنیادوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس سے انسان کا دل خوف کا نشیمن بن جاتا ہے وہ ہر وقت اپنے ذہن کے تراشیدہ "خداؤں" سے ڈرتا رہتا ہے اور اس طرح اس کی جرأت و بے باکی کی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں۔ ایسا شخص ان تباہیوں سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟!" (5/45 والمحصنٰت)

(۱۰) دوستو! بہت ہی توجہ کی ضرورت ہے۔

یہ ملک میں جتنی بھی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا منشور ہے اسی منشور پر وہ آپ سے ووٹ کی طلبگار ہوتی ہے۔ یہی منشور بعد میں ملک کے آئین کی بنیاد بنتا ہے اور اس منشور اور آئین کی اطاعت، وفاداری کہلاتی ہے۔ اس کی مخالفت غداری سمجھی جاتی ہے ---- کسی بھی پارٹی کو، انتخابات کے وقت، ووٹ دینے کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ اس کے منشور کو پسند بھی کر رہے ہیں اور اسے ملک میں نافذ بھی دیکھنا چاہتے ہیں یعنی خود بھی اس کی اطاعت کا عہد کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ملک کے تمام باشندے بھی اسی کی اطاعت کریں۔۔۔ دوستو۔۔۔۔ لمحہ بھر کے لئے غور تو کرو کیا اس طرح آپ انسانوں کے بنائے ہوئے منشور کو اللہ کے عطا کردہ منشور یعنی قرآنِ کریم کے مقابل لانے کا عزم نہیں کر رہے ہوتے؟!! اللہ کے منشور کو مسترد کر کے اس کی جگہ اپنی پسندیدہ پارٹی یا شخص کے منشور کی اطاعت قبول نہیں کر رہے ہوتے؟! یاد رکھئے ایک مومن کا ووٹ صرف اسی شخص یا پارٹی کے لئے ہو سکتا ہے جو ارض اللہ، یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون قرآنِ حکیم کا نفاذ چاہتا ہے۔ جمہوریت ہو یا آمریت۔ پارلیمانی نظام ہو یا بادشاہت سب کفر ہیں شرک ہیں۔ غیر انسانی ہیں غیر اسلامی ہیں۔ کسی انسان یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنے قاعدے اور قانون کا پابند بنائے۔ اطاعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ صرف اور صرف اسی

کا ہے ۔ حکومت صرف اور صرف اسی کی ہے ۔ یہی لا الٰہ الّا اللہ سے مُراد ہے کہ "کوئی ہے ہی نہیں جس کی اطاعت و محکومی کی جائے سوائے اللہ کے ---" ایک مسلم تو پہلا اقرار ہی یہ کرتا ہے کہ میں نے اللہ اور اس کے قوانین "قرآن کریم" کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ۔ جھکا دیا اور تمام جہان کی غلامی کا جُوا اُتار پھینکا ۔ الٰہ کے سامنے جُھک جانے کے بعد اب کسی اَور کے آگے جُھکنے کی ضرورت ہی نہیں رہی ۔ بقول علامہ اقبال رح

وہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ہر قسم کی غلامی سے نجات مِل جاتی ہے --- اور اِس ایگریمنٹ کے بعد اِس اقرار کے بعد ۔ ۔ کوئی شخص ، کوئی پارٹی ، کوئی فقہ اور کوئی مسلک اہم نہیں رہتا ۔ قابلِ توجہ نہیں رہتا ـــــــ

محترم دوستو! عربی گرامر کی رُو سے لفظ قرآن کے نزدیک ترین معنٰی ہیں "Proclamation اعلان" اور اِس اعلان سے مُراد ہے اقوام اور نسلوں کی ہدایت کا اعلان (9/23. 34/50. 6/158) نُور اور روشنی کی آمد کا اعلان (13/15-16. 4/24. 42/52) باطل قوتوں کے ، ظلم اور جُرم کے خاتمے کا اعلان (13/39. 42/24. 21/16-18) انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لئے راہ نمائی کا اعلان (41/44) اور یہ اعلان کہ

"اِس کتاب (قرآن کریم) میں کسی ایسی بات کو نہیں چھوڑا گیا جس کا بیان کرنا ضروری تھا ۔" (6/38. 6/59. 10/61. 34/3) یعنی اِس کے بعد کسی روایت تفسیر ، تاویل ، فقہ اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہے --- اور پھر اس چیلنج کا اعلان کہ

"اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ (اللہ کا نہیں) کسی انسان کا کلام ہے تو اس جیسا قرآن بنا کر دِکھا دو (17/88) پُورا قرآن نہیں (تو چلو) اس جیسی دس سورتیں مُرتب کر کے دِکھا دو (11/13) دَس کو بھی چھوڑو صرف ایک سُورت ہی بنا کر دِکھا دو ۔۔

(10/38) اگر ساری دنیا کے انسان مِل کر بھی چاہیں تو وہ ایسا نہیں کر سکیں گے (17/88)

کیا اِس کے بعد بھی کسی حیل۔ حجت، تاویل و تفسیر اور شک و شبہ کی کہیں گنجائش رہ جاتی ہے ؟!

یہ تھا وہ اعلانِ عظیم جو قلبِ محمدؐ پر نازل ہوا اور لبِ محمدؐ سے ادا ہو کر ایک چونکا دینے والے حیرت زدہ کر دینے والے انقلاب میں ڈھلا جس نے تاریخ انسانی کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ انسان کو اپنے بلند مقام و مرتبہ سے آگاہی ہوئی، اللہ سے تعلق کا علم ہوا۔ عبادت اور اطاعت کے امتیاز اور فرق کو پہچانا تو تصورِ زندگی ہی بدل گیا۔۔۔۔

قرآنِ کریم کا پارہ والمحصنٰت سورت ۵ آیت ۴۳ کے اِن الفاظ کو غور سے دیکھئے۔

"حق و صداقت کی زندگی اُسی وقت بسر ہو سکتی ہے جب انسان میں داخلی انقلاب پیدا ہو جائے۔ جب تک دل نہ بدلے انسان کی روش نہیں بدل سکتی۔ اِس وقت ایمان ان کی زبانوں تک ہے ان کے قلب کے اندر جاگزیں نہیں ہوا۔"

دیکھئے اس آیت کے آئینے میں، کہیں ہمارے اپنے ہی چہرے تو دکھائی نہیں دے رہے ؟! اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے، وہی انقلابِ محمدؐ برپا کرنے کی ضرورت ہے جو چودہ سو سال پہلے عرب کی سرزمین سے اُبھرا تھا اور جس نے انسان کو اس کے اپنے شرف سے آگاہی عطا کی تھی۔۔۔ ناسک توپیاں مارنے، نعرے لگانے اور قرآن کے کسی ایک جزو یا چند اجزاء کو مُلک میں نافذ کر کے اسلامی مملکت قرار دینے سے نہ مملکت اسلامی ہو جائے گی اور نہ ہم اہلِ قرآن بن جائیں گے یہ تو صرف اسی صورت میں ممکن ہو گا جب ہم پُورے کے پُورے اسلام میں داخل ہوں گے اور اپنی زندگیوں میں قرآنی قوانین کو نافذ کریں گے۔ اور اس کے لئے دل بدلنے کی ضرورت ہو گی قلب و نگاہ میں انقلاب پیدا کرنا ہو گا۔ اور یہی انقلابِ قرآنی کا صحیح اور حقیقی راستہ ہو گا۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں...

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است

ہماری آبرو تو بس محمد مصطفےٰ سے ہے

نفسِ مضمون

اقتباسات

○ ۔ " ایمان لفظوں کی بے ساکھیوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ عمل کا تقاضا کرتا ہے۔"

○ ۔ " نبی کی اولاد ہونا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔" (2/124) یہ سنیئے، شیخ مرزا کہاں سے آگئے ؟

○ ۔ " ہوا اور پانی اپنا راستہ آپ بناتے ہیں۔ اسی طرح جذبات بھی اپنا راستہ خود تراشتے ہیں۔"

○ ۔ " کسی سکھ ماں کے پیٹ سے جنم لیتے تو ہمارا ایمان یہ ہوتا کہ یہ ساری کائنات گورو بابا نانک جی کے لئے بنائی گئی ہے۔"

○ ۔ " اگر ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ اس پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنی اجتماعی زندگی میں اس کے مطابق کوئی تبدیلی بھی پیدا نہیں کرتے تو یہ قرآن کی عملاً تکذیب ہے۔"

○ ۔ " پتھر کی سل جانے کے بعد کسی بھی رسول کے گھر میں، کوئی ذاتی خدمت گار اور ملازم نہیں ہوا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی صحابی کے گھر میں بھی کوئی

ذاتی ملازمہ یا ملازمہ نہیں ہوتی تھی۔ یہ تعلیماتِ قرآنی کے یکسر خلاف ہے۔"

○ ۔ " سود لینے اور سود دینے والا دونوں کافر بلکہ مشترک ہوتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا اور اتنا بھیانک جرم ہے کہ اللہ اسے اپنے اور اپنے رسول کے خلاف بغاوت کہتا ہے۔ اعلانِ جنگ قرار دیتا ہے۔" (2/279)

○ ۔ " حق و صداقت کی زندگی اُسی وقت بسر ہو سکتی ہے جب انسان میں داخلی انقلاب پیدا ہو جائے۔"

○ ۔ " جب تک دل نہیں بدلتا، انسان کی رَوِش نہیں بدل سکتی۔ اِس وقت ایمان زبانوں تک ہے، قلب کے اندر جاگزین نہیں ہوا۔" (5/63)

○ ۔ سوچنے کہ سوچنے کا وقت بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ یہ مُہلت کی سانسیں کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہیں، رُک سکتی ہیں۔ منافقت کی زندگی اَبَدی جہنم کی زندگی ہوتی ہے۔ مکمل انکار کر دیجئے یا مکمل قرآن پر ایمان لے آیئے۔ ایمان لانے کی صُورت میں پورے کا پورا دین میں داخل ہونا پڑے گا اور اسی کو اپنا ضابطۂ حیات بنانا پڑے گا۔"

دوستو! ایک تو ہوتی ہے عقیدت اور ایک ہوا کرتی ہے حقیقت۔ دونوں کے اپنے اپنے دستور اپنے اپنے اسلوب اور اپنے اپنے طور طریق ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوا کرتے ہیں۔ "عقیدت" کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے جبکہ حقیقت، جذبات سے ماوراء ہوتی ہے۔ اس کی اساس عقل و برہان پر ہوا کرتی ہے جذبات کسی قانون کو نہیں جانتے۔ کسی دستور پر نہیں چلتے۔ جس طرح ہوا اور پانی اپنا راستہ آپ بناتے ہیں بعینہ جذبات بھی اپنا راستہ خود تراشتے اور بناتے ہیں۔ یہ جذبات جس ہستی یا شخصیت سے وابستہ ہو جائیں اُسے شخصیت نہیں رہنے دیتے بُت بنا لیتے ہیں۔ پھر سارے زمانے کی خوبیاں اُسی میں سمٹ آتی ہیں۔ جہان بھر کا حسن اُسی سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ چاند اُس کے آگے ماند ہوتا ہے۔ ستارے اُس کے سامنے ذرّے ہوتے ہیں۔ آفتاب اُس کے عارض سے چمک دمک مانگا کرتا ہے۔ پھول اُس سے مہک لیا کرتے ہیں اور زمین کی جنبش اُس کی چال ڈھال سے اپنی رفتار کشید کیا کرتی ہے۔ وہی سرمایۂ حیات ہوتا ہے وہی وجہِ کائنات محسوس ہوتا ہے اور یہ سب ہم نہیں کہہ رہے ہوتے، ہماری عقیدتیں بول رہی ہوتی ہیں ... جذبات کی یہ سطح اور عقیدتوں کی یہ انتہا پرستش کہلاتی ہے ہم مرکزِ عقیدت کو بُت بنا لیتے ہیں اور لاشعوری طور پر اسے پُوجنا شروع کر دیتے ہیں۔

لیکن "حقیقت"....؟

حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ ایک ایسے آئینہ کی مانند جس میں انسان

کے گھیج خد و خال نظر آتے ہیں۔ جو جیسا ہے ویسا ہی دکھائی دیتا ہے۔

دوستو! ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتے نہ یہ اختیار کسی کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ کس خاندان اور کس گھرانے میں پیدا ہو۔۔۔ اگر ہم کسی سکھ ماں کے پیٹ سے جنم لیتے تو یہ ساری کائنات گورو بابا نانک جی کے لیے بنائی گئی ہوتی۔ کسی عیسائی گھر میں پیدا ہوتے تو ایمان یہ ہوتا کہ اگر حضرتِ عیسیٰ پیدا نہ ہوتے تو یہ دُنیا بھی ظہور میں نہ آتی۔ اگر کسی یہودی کے ہاں پیدا ہوئے ہوتے تو پھر اس زمین و آسمان کی ساری عظمتیں، ساری خوبیاں اور ساری رعنائیاں حضرتِ موسیٰ علیہ سلام کی وجہ سے ہوتیں۔ سو بجا کہ آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰؐ است کہ یہ نام مصطفےٰؐ ہی ہمارے ایمان کا سرچشمہ ہے۔ ہماری متاعِ حیات ہے۔ کُل کائنات ہے۔ وجہِ عز و شرف ہے لیکن سوچنا یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ محض عقیدت کی بنا پر ہے یا حقیقت کی بنا پر۔۔۔ یا پھر ہم دونوں کو خلط ملط کر رہے ہیں۔۔۔

دودھ میں اگر پانی ملا دیا جائے تو پھر وہ نہ خالص دودھ رہے گا نہ خالص پانی۔ اسی طرح "حقیقت" پر عقیدتوں کے رنگ چڑھا دیئے جائیں تو شناخت مشکل ہو جائے گی۔ پہچان مٹ جائے گی۔۔۔

محترم دوست محمد لطیف چوہدری صاحب نے ایک مرتبہ خوب صورت بات کہی تھی کہ دریا کا صاف شفاف پانی جسے بلا جھجک اور بلا تامل پیا جاتا ہے اگر ٹسٹ کے لئے کسی لیبارٹری میں بھیج دیا جائے تو اس میں بے شمار چیزوں کی آمیزش کا انکشاف ہو گا۔ پھر اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ سو فی صد خالص پانی کہاں سے ملے گا تو اُسے دریا کے منبع یعنی پانی کے سرچشمے تک جانا پڑے گا۔ اسی سرچشمہ پر پہنچ کر ہم خالص پانی حاصل کر سکیں گے۔ آج دین اور مذہب اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ہزار کوشش پر بھی ہم دونوں کو الگ الگ نہیں کر سکتے۔ کبھی مذہب کو عین دین کہنے لگتے ہیں۔ اور کبھی دین کو مذہب کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ یہ جو اسلام ہمارے سامنے ہے۔ یہ ڈیڑھ ہزار سال سے مختلف تہذیبوں، مُلکوں، زمانوں اور رُسوم و روایتوں کی وادیوں سے گزرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ آج اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ

اس میں کن کن غیر قرآنی خیالات و عقائد کی آمیزش ہے تو اسے بہر حال اصل منبع اور اصل سرچشمے تک پہنچنا ہوگا اور وہ سرچشمہ ہے قرآنِ کریم، منبعِ رُشد و ہدایت۔ وہی لیبارٹری ہے جس سے کھوٹے کھرے کی پہچان ہوگی۔

"وہ جس اسلام کو آج مسلمان اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں وہ قطعاً وہ اسلام نہیں ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے دیا تھا اور جسے اُس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً متشکل کر کے دکھایا تھا۔ اس کا موجودہ اسلام مجموعہ ہے، چند بے رُوح عقائد اور بے جان رُسومات کا۔۔۔ یہ ہزار برس سے انہی بے روح عقائد اور بے جان رُسومات کو عین دین کیے ہوئے چلا آرہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نیا سُورج اِس کے لئے ذلت و افلاس کا رُسوا کن عذاب لے کر نمودار ہوتا ہے۔ آج دنیا میں تعداد کے لحاظ سے اور جغرافیائی پوزیشن کے اعتبار سے مسلمانانِ عالم کو سب سے زیادہ طاقت وَر ہونا چاہیے تھا اور اس نصب العین اور پیغام کی رُو سے جس کا اِس قوم کو حامل بنایا گیا تھا اسے انسانیت کا امام بنا چاہیے تھا لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ یہ اپنی زندگی اور بقا کے لئے اقوامِ یورپ کے رحم و کرم پر ہیں۔ کوئی اِنہیں زندہ قوموں میں شمار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ اُس وقت تک سانس لے سکتے ہیں جب تک یورپ کی طاقتیں اپنی مصلحتوں کے ماتحت انہیں سانس لینے کی اجازت دیں۔ باقی رہا شرفِ انسانیت؟ سو جو قوم اپنی زندگی تک کے لئے دوسروں کی محتاج ہو اُسے شرفِ انسانیت سے کیا تعلق؟۔۔۔"

("دوسرا سرمایہء حیات" از علامہ غلام احمد پرویز)

دوستو وہ جو ہمیں ذلت کی پستیوں سے اُٹھانے آیا تھا۔ کفر کے اندھیروں سے نکالنے آیا تھا۔ جذبات کی اندھی گھاٹیوں سے نکال کر "حقیقت" کے آسمان تک سَر بلند و سَرفراز کرنے آیا تھا۔ جو یہ دعویٰ لے کر آیا تھا کہ قیامت تک آنے والی جو نسل، جو قوم، دینِ خالص پر عمل پیرا ہوگی وہی تمام کرۂ ارض پر غالب آنے گی اور کائنات کی ساری قوتیں اور طاقتیں اُسی کے سامنے خمیدہ سَر ہوں گی۔ جُھک جائیں گی۔ سجدہ ریز ہو جائیں گی۔ دُنیا بھی اُسی کی ہوگی اور آخرت کا عزّو شرف بھی اُسی کا

نصیب بنے گا۔۔۔ آج فضائے عالم پوچھتی ہے کہاں ہے اس دعوے کی صداقت؟!
معاذ اللہ معاذ اللہ خاکم بدہن کیا فرمودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غلط تھا؟ کیا اللہ کا وعدہ،
وعدہ نہ تھا۔ غلط بیانی تھی یا ہم غلطی پر ہیں غلط ہیں۔؟

زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ انگلینڈ میں ایک عیسائی مبلغ خاتون ہمارے گھر آئیں۔
کئی دن تک عیسائیت کی تبلیغ کرتی رہیں جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہم پر ان کی تبلیغ کا
کوئی اثر نہیں ہو گا تو وہ جھنجلا سی گئیں کہنے لگیں آپ کو اپنے قرآن پر یقین ہے؟ کہ یہ
سچی کتاب ہے اور ساری دنیا کے انسانوں کے مسائل کا حل اپنے اندر رکھتی ہے؟
جب ہم نے اقرار کیا تو کہنے لگیں یا تو آپ جھوٹ بول رہے ہیں یا (معاذ اللہ) یہ
کتاب جھوٹی ہے۔۔۔ ہمارے جذبات کی، بے ساختہ تلاطم خیزی کو محسوس کرتے
ہوئے کہنے لگیں کوئی اندھا اگر کسی گڑھے کی طرف جا رہا ہو اور اس میں گر کر ہلاک
ہو سکتا ہو اور آپ اُسے دیکھ رہے ہوں تو کیا اُس کے مرنے کا تماشا دیکھیں گے یا
اُسے بچانے کی کوشش کریں گے؟ ہم نے کہا یقیناً بچائیں گے کہنے لگیں اس
وقت دنیا کی آبادی زیادہ سے زیادہ چھ ارب ہو گی جس میں زیادہ سے زیادہ ایک
ارب مسلمان ہوں گے اور آپ کے عقیدے کی رُو سے بس وہی جنت کے مستحق
ہیں باقی پانچ ارب انسان جہنم میں جائیں گے۔ جو کل مر گئے اُن کی بات نہیں کرتی
ہیں جو آئندہ پیدا ہو کر مریں گے ان کا ذکر بھی نہیں کرتی۔ آج کی دنیا کے پانچ ارب
انسان، آپ کی نظروں کے سامنے جہنم کے گڑھے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ بڑھتے
چلے جا رہے ہیں اور اُس میں گر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھسم ہو جانے والے ہیں
اور آپ تماشا دیکھ رہے ہیں؟ انہیں بچانے کی کوشش نہیں کرتے نیند کیسے آ
جاتی ہے آپ کو؟ حلق سے نوالہ کس طرح اتر جاتا ہے؟ اتنی بڑی ہلاکت اور متوقع
تباہی، چین کیسے لینے دیتی ہے؟ وہ بتانے لگیں میں پانچ بچوں کی ماں ہوں۔ اپاہج
بہن ہے۔ شوہر بھی ہے۔ گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں۔ ملازمت بھی کرتی ہوں
اس کے باوجود ہر روز دو گھنٹے نکالتی ہوں۔ ایک ایک دروازے پر دستک دیتی ہوں
ایک ایک سے کہتی ہوں مہلت کا وقت ختم ہو رہا ہے وہاں جا کر لوٹ نہیں سکو گے

اور وہاں موت بھی نہیں آ سکتی۔ ابھی اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر لو۔ اس مہلت کے وقت سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ایمان دُرست کر لو ـــ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے شاید اس لئے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں ہے کہ آپ کا قرآن سچا ہے آپ تذبذب میں ہیں۔ شک وشبہ میں ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہو کہ اللہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس کے وعدے غلط نہیں ہو سکتے تو پھر آپ یقیناً قرآن پر عمل کریں اور دُوسروں کو بھی اس کے دَرَخشندہ نتائج سے آگاہ و آشنا کریں۔

وہ چلی گئیں لیکن ان کی طنز کا نشتر دل میں ترازو ہو گیا۔ دوستو ہم اگر قرآن کو مانتے ہیں۔ اُس پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے مطابق کوئی تبدیلی بھی پیدا نہیں کرتے تو یہ قرآن کی عملاً تکذیب ہے۔ ہمارے کردار و گفتار کا یہ تضاد واضح اعلان ہے کہ قرآن ناقابلِ عمل ہے۔ ناقابلِ اعتبار و اعتماد ہے۔ قرآن سے کہیں زیادہ ہماری اپنی عقل بھروسے کے لائق ہے جس کے مطابق ہم زندگی کے فیصلے کرتے ہیں اور اپنی صبح و شام بسر کرتے ہیں ـــ کیا اس طرح ہم قرآن و اسلام کی تضحیک اور جگ ہنسائی کا سبب نہیں بنتے؟ خود کو اور دُوسروں کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرتے؟ جس نام کو ہم اپنی آبرو، عزت و منزلت اور افتخار و وقار کا موجب گردانتے ہیں خود اُسی ذاتِ مکرم و محترم کے لئے باعثِ شرمندگی اور وجہِ رُسوائی نہیں بن جاتے؟

لِلّٰہ مت کہئیے کہ ہماری آبرو نامِ مصطفےٰؐ سے عبارت ہے۔ مت کہئیے کہ ہم اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی کی اطاعت کے قائل ہیں۔ مت کہ اللہ کا نبی برحق ہے اور اُس کا اُسوہ ہی اتباع کے لئے ضروری اور ہمارا ایمان ہے ـــ ایمان، محض لفظوں کی بے ساکھیوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر عمل نہیں کر سکتے تو اس نام سے خود کو منسوب کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں پہنچتا۔ یہ تو منافقت ہے کہ دعویٰ اس پر ایمان کا ہے اور عمل اس ایمان کی تکذیب کا اور میں گواہی میں پیش کرتا ہوں پوری سُورۃ مُنافقون کو کہ منافق کی بخشش کسی حال میں نہیں ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہو گا۔

بلکہ جہنم کے بھی آخری حصے میں رہے گا۔۔۔ سوچنے کا وقت بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ یہ مُہلت کی سانسیں کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہیں رُک سکتی ہیں۔ جو وقت گزر گیا۔ گزر گیا۔ اب تو دل کی گہرائیوں سے قرآن کی صداقتوں پر ایمان لے آئیے اب تو کفر کے چھینٹوں سے اپنے دامنِ ایمان کو پاک صاف کر لیجیے:۔

کیسی نیند ہے نوری کہ جاگتے ہی نہیں
اَجل بدوش قیامت تو سَر پہ آ بھی چکی

آئیے دیکھتے ہیں کہ وہ ہادیٔ برحق، وہ اللہ کا سفیر وہ خاتم الانبیاء اللہ کا کیا پیغام ہم تک پہنچانے آیا تھا۔ وہ کیا کرتا تھا اور ہم کیا کیا کرتے ہیں ع:۔

ہم نفس، وقت ہے گمرہ کہ آدم گمرہ
آ، ذرا تجزیۂ قصۂ آدم تو کریں

اُس نے کہا۔ "تتفکروا" (34/36) افلا یتدبرون القرآن (4/82 ، 47/24)

سوچا کرو۔ قرآن میں غور و فکر کیا کرو۔

ہم نے کہا۔ مذہب میں فکر و تدبر حرام ہے۔

اُس نے کہا۔ لقد کرمنا بنی آدم (17/70) دُنیا کا ہر انسان (عورت اور مرد دونوں) برابر کی عزت و تکریم کا مستحق ہے۔

ہم نے کہا۔ ہرگز نہیں مدارج اللہ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ جسے چاہتا ہے وہ عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ وہی امیر بناتا ہے وہی فقیر کرتا ہے۔

اُس نے کہا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ (6/160) (مجھے اللہ کا حکم ملا ہے کہ) وہ لوگ جو دین میں فرقے بنا لیتے ہیں اور اس طرح خود کو الگ الگ فرقوں میں تقسیم کر لیتے ہیں اے رسول تیرا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

ہم نے کہا۔ اللہ کہتا ہے تو کہتا رہے۔ رسول نے تو یہ کہا ہے کہ قیامت سے پہلے ۷۲ فرقے ہوں گے ان میں سے ایک فرقہ جنتی ہو گا باقی سب جہنمی ہوں گے۔

اُس نے کہا۔ کوئی انسان کسی جائیداد اور زمین کا مالک نہیں ہو سکتا کہ زمین
اللہ کی ہوتی ہے اور تمام نوعِ انسان کے لئے کھلی ہوتی ہے۔ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ
(41/10) اِس میں ہر ضرورت مند کے لئے برابر کا حصہ ہوتا ہے۔
ہم نے کہا۔ ہوتا ہے تو ہوتا ہوگا ہم تو زمین پر اللہ کے خلیفے ہیں۔۔ وہ جس کو جس
زمین کا چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے۔
اُس نے کہا۔ اسلام میں ذاتیں یعنی شیخ، مرزا، سیّد وغیرہ اور پیشے کے امتیاز کو
کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اصل شے ایمان ہوتی ہے (26/111) لہذا جو لوگ رسولِ
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد، بیٹی، داماد، نواسے یا خاندان کے حوالے سے سیّد
کہلاتے ہیں اور اِس طرح خود کو مُنفرد، برتر اور محترم بنا لیتے ہیں دراصل وہ اپنے اور
دوسرے انسانوں کے درمیان امتیازی فرق پیدا کر لیتے ہیں اور انسانوں میں فرق
کرنا کفر بلکہ شرک بن جاتا ہے۔ اسی طرح، چودھری، میاں، رانا، خان اور اسی طرح
کے دیگر حوالوں سے دوسرے انسانوں سے مختلف یا بلند و ممتاز ہو جانے کا تصوّر
بھی غیر انسانی بلکہ غیر اسلامی ہے۔ وہ نبی کی اولاد ہونا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا
۔۔" (2/124)

ہم نے کہا۔۔۔ جی نہیں یہ امتیازات تو پہچان اور شناخت کے لئے ہوتے ہیں۔
بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کے گھرانے کا کوئی فرد اور عام مومن ایک جیسا اور ایک
سطح کا ہو جائے۔۔۔ سیّد سب سے افضل ذات ہے۔ باقی ذات والوں پر اس کی تکریم
فرض ہے
اس نے کہا سُود لینے والا اور سُود دینے والا دونوں کافر بلکہ مُشرک ہوتے ہیں۔
یہ اتنا بڑا اور اتنا بھیانک جُرم ہے کہ اللہ اسے اپنے اور اپنے رسول کے خلاف
بغاوت کہتا ہے۔ اعلانِ جنگ قرار دیتا ہے (2/279)
ہم نے کہا۔ ہم نہیں مانتے آج دنیا کا سارا نظام ہی بینکنگ پر ہے۔ سُود کے لین
دین پر ہے۔ حکومتیں سُود پر چلتی ہیں۔ تنخواہیں تک سُود پر ملتی ہیں سُود نہیں لیں

گے تو کہاں جائیں گے۔

اُس نے کہا۔ ہر وہ کمائی اور پیسہ جس کے حصول میں اپنی محنت شامل نہ ہو، حرام قرار دیدی گئی۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کے لئے بس اتنا ہی ہے جتنی اس میں اس کی محنت شامل ہے۔ یہ پرائز بانڈ، لاٹری کے ٹکٹ، ریفل ٹکٹ، قرعہ اندازیاں، جمع شدہ دولت پر Interest ۔ انشورنس کی رقم۔ بینک کے کھاتے۔ سیونگ سرٹیفکیٹس، دوکانوں اور مکانوں کے کرائے۔ سلیپنگ پارٹنرشپ، زمین کی بٹائی غرض ہر وہ کمائی جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو قرآن کی رُو سے نہ صرف حرام ہے بلکہ جو لوگ اِس طریقے سے دولت کماتے ہیں ان کے لئے عذابِ شدید کی وعید ہے قرآن کا حوالہ ہے 35-9/34 غور سے سُن لیجئے فرمایا۔

"ان سونے اور چاندی کے سِکّوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پُشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا (اور محنت کے بغیر حاصل کر رکھا تھا) سو اب چکھو اس کا مزہ۔"

ہم نے کہا۔ یہ بات اگر مان لیں تو بھوکوں مر جائیں۔ آسانی سے اور وہ بھی مُفت کی دولت ہاتھ لگے تو اسے چھوڑنا سَراسَر بے وقوفی ہے۔

اُس نے کہا۔ تمہارے پاس، اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی کچھ ہے وہ دُوسرے ضرورت مندوں کے لئے کُھلا چھوڑ دو اور جب دُوسروں کو دو تو نہ اِس کا احسان جتاؤ نہ اعلان کرتے پھرو حتیٰ کہ شکریہ تک کے طلبگار مت بنو (سورۂ رحمٰن)۔

ہم نے کہا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک تو دوسروں کی مدد کریں اور اخبار میں تصویر بھی نہ چھپوائیں۔ زمانے بھر سے داد بھی وصول نہ کریں۔ اس داد کے لئے تو ریڈیو، اخبارات اور T.V والوں پر بطور رشوت ہزاروں بھی خرچ کرنے پڑیں تو مہنگے نہیں۔ نیکی اور نیک دلی کا پوری برادری میں چرچا نہ ہُوا تو بات کیا بنی۔؟

اُس نے کہا۔ اطاعت صِرف اور صِرف اللہ کی ہے۔ یہ اختیار کسی رسول کو بھی

حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت کرائے۔
ہم نے کہا۔ ہم تو اپنے دونوں سے اپنی مرضی کے حاکم مقرر کریں گے اور اُن کے عطا کردہ قانون کی اطاعت کریں گے۔ گھروں میں کئی کئی ملازم رکھ کر اُن سے اپنی اطاعت اور غلامی بھی کرائیں گے ۔۔۔ یاد رکھئے پیغمبری مل جانے کے بعد کسی بھی رسول کے گھر میں کوئی ذاتی خدمت گار اور مُلازم نہیں ہُوا کرتا تھا حتیٰ کہ کسی صحابی کے گھر میں بھی کوئی ذاتی ملازم یا ملازمہ نہیں ہوتی تھی۔ یہ تعلیماتِ قرآنی کے یکسر خلاف ہے لیکن ہماری شان اور وجہِ امتیاز ہی یہ ہے کہ افرادِ کنبہ سے زیادہ، ملازمین کی تعداد دکھائی دے۔ ایک آدھ ملازم رکھنا تو اب ادنیٰ سے ادنیٰ گھر کا بھی رواج بن چکا ہے۔
ہمارے دَور کی نرعجزی ہی یہ ہے کہ ہم اپنی ذمّہ داریاں بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اپنے کام بھی دوسروں سے کرانا چاہتے ہیں۔ رزق بھی وہی مرغوب ہے جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو۔ کریڈٹ بھی اُن کاموں کا حاصل کرتے ہیں جو کام سِرے سے ہم جانتے ہی نہیں اور کرتے ہی نہیں ۔۔۔ جب قومیں اِس نہج پر پہنچ جاتی ہیں تو اُن کی توانائی، صلاحیت اور قوّتِ عمل مضمحل ہو جاتی ہے اور پھر وہی ہُوا کرتا ہے جو آج مسلمین کے ساتھ اقوامِ یورپ کر رہی ہیں ۔۔۔ دوستو تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ہے

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا، مرگِ مفاجات

ہمارا رسول، جو کچھ ہمیں دے گیا اور کہہ گیا ہم نے عملاً اُس کی تکذیب کی پھر بھی دعویٰ ہے کہ ہم عاشقِ رسول ہیں۔ شب و روز نعتوں کے ڈھیر اور دُرود کے انبار لگاتے ہیں۔ میلاد کی محفلیں سجاتے ہیں۔ جب جب کوئی رسول کا نام بھی لے دیتا ہے تو اپنے انگوٹھے آنکھوں سے لگاتے اور اُس کے نام کو بار بار چُومتے ہیں۔ صِرف اس بات پر کٹ مرتے ہیں اور نیا فرقہ بنا لیتے ہیں کہ خالی خُولی ”رسول اللہ“ کہنا رسول کی توہین ہے ”یا رسول اللہ“ کہنا چاہیئے کہ رسول پاک کا نام ہی تو ہماری

عزت ہے۔ ہماری آبرو ہے۔

اس نے کیا کیا ہم سے کہا تھا، آج ہمیں کچھ یاد نہیں ہے
پیار کی اس دوکان میں لیکن لفظوں کا انبار لگا ہے

مومن کیسے بنیں؟

نفسِ مضمون
اقتباسات

○ ۔ " جس قلبِ حساس میں پاکستان کا درد ہے۔ اُس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ قرآن کو مُلک میں نافذ کرنے سے پہلے اپنی ذات اور اپنی زندگی میں نافذ کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے خود کو ذاتوں، فرقوں اور طبقوں کے لیبل سے یکسر دیک دم آزاد کرلیں۔ مرزا، میاں، چوہدری، زیدی، بخاری، رضوی، نقوی، شیخ اور اسی جیسی وابستگیوں، علاقائی مناسبتوں اور برادریوں کے حوالوں سے الگ ہو جائیں ہماری شناخت اور پہچان صرف اور صرف اسلام ہو اور صرف "مسلم" کہلانے پر ہی فخر ہو۔"

○ ۔ " ہر مسلم خود نکاح پڑھا سکتا ہے۔ نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے۔ امامت کر سکتا ہے۔ نومولود کے کان میں اذان دے سکتا ہے اور ہر وہ دینی فریضہ انجام دے سکتا ہے جو کوئی مولوی یا حضرت صاحب انجام دیتے ہیں۔"

○ ۔ " کسی بھی انسان کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہیے خواہ وہ معاشرہ کے ادنیٰ ترین طبقے سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ بلکہ محنت کش طبقہ یعنی مزدور مزارع ہاری، کسان، قلی حتیٰ کہ خاکروب تک کی عزت زیادہ کرنی چاہیے کہ محنت کرنے والے کو اللہ اپنا دوست کہہ کر پکارتا ہے اور اس اعتبار سے اللہ کے دوست کی توہین خود اللہ کی توہین بن جاتی ہے۔"

○ ۔ " آج دس کروڑ انسانوں کی قسمت کے مالک صرف چوالیس خاندان ہیں اور ان چوالیس خاندانوں کی بقاء اور استحکام کا باعث ہے مذہبی پیشوائیت۔"

○ جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میں سُنّی ہوں یا شیعہ یا اہلِ حدیث یا کسی بھی فرقہ، مسلک، جماعت، گروہ یا پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ میرے سے مسلم ہی نہیں رہتا۔" (30/31)

○ ۔ " سرمایہ دار طبقہ اور مذہبی پیشوائیت ایک ہی سکے کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک ہی سانپ کے دو مونہہ ہوتے ہیں اور ایک ہی تلوار کی دو دھاریں ہوتی ہیں۔"

○ ۔ " سرمایہ دار طبقے بناتا ہے اور مذہبی پیشوائیت فرقے بناتی ہے۔ دونوں کا کام وحدتِ انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہوتا ہے اسی لئے اللہ کے نزدیک اس سے سنگین جرم کوئی ہے ہی نہیں۔ طبقاتی تقسیم اور فرقہ بندی کو اللہ نے شرک سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔" (42/13)

رسول تو آتے ہی اس لئے تھے کہ طبقوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی اُمت کو یکجا کریں۔

ہندی زبان کی ایک کہاوت ہے "اندھی ڈگر پہ ٹوٹ ٹٹوٹ ہر ہر موڑ پہ دیکھے بھوت" یعنی جس راستے کا علم نہ ہو اُس پر چلنے میں خطرہ ہی خطرہ ہوتا ہے۔ منزل کی آسودگی اُسی کو ملتی ہے جو راستے کے پیچ و خم سے آگاہ ہو۔ وہ جانتا ہو۔ منزل کہاں ہے کہاں ٹوٹی ہوئی ہے کس طرف کھائی ہے کہاں پہ کچی ہے کس سمت میں کون سی دشواری ہے۔ کس موڑ پر کس قسم کے نقصان کا خطرہ ہے۔ کہاں پانی یا کھانا میسر آسکتا ہے کہاں ویرانہ ہے کہاں آبادی ہے۔ اور کہاں کہاں چور ڈاکو یا لٹیروں سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ سب کچھ پہلے سے معلوم ہے تو وہ پوری حفاظت اور تیاری سے سفر کرے گا اور کوئی بھی نقصان اٹھائے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اور جسے یہ سب کچھ نہ معلوم ہو اُسے شاید منزل تک پہنچنا کبھی میسر نہ آئے وہ راستے ہی میں ہلاک ہو جائے یا ایسی حالت میں منزل پر پہنچے کہ خوشی کے بجائے اُسے منزل پانے کا پچھتاوا ہو۔۔۔۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آدھے راستے سے واپس لوٹ جائے اور منزل کی تمنا ہی دل سے نکال دے اسی لئے واقفیت۔ علم اور آگاہی کو قرآن روشنی کہہ کر پکارتا ہے اور ہر مومن کے لئے اسے لازمی قرار دیتا ہے یعنی اس روشنی کا حاصل کرنا اور پھیلانا فرض قرار دیتا ہے ہر مومن مرد اور عورت کے لئے کہ اس کے بغیر زندگی کے سفر میں ہر ہر موڑ پہ خطرے ہی خطرے اور بلائیں ہی بلائیں ملیں گی اور انسان

کبھی بھی منزلِ مقصود نہیں پا سکے گا۔ پا بھی لے گا تو منزل کی آسودگی کبھی اُسے میسّر نہیں آسکے گی۔ وہ منزلِ خوشی سے زیادہ پچھتاوا بن کر رہ جائے گی۔

قائدِ اعظم نے کہا تھا پاکستان ہماری منزل نہیں ہے۔ جادۂ منزل ہے۔ مقصد نہیں ہے؟ حصولِ مقصد کا ذریعہ ہے اور وہ مقصد جس کے لئے ہمیں پاکستان کی ضرورت ہے خالصتاً اسلامی اور قرآنی نظام کا نفاذ ہے۔ ہمیں ایک ایسے خطہ ارض کی ضرورت ہے جہاں ہم کسی پارلیمنٹ یا انسانی قوانین کے بجائے اللہ کی حاکمیت اور اُس کے قوانین کی اطاعت کر سکیں۔"

قائدِ اعظمؒ کے اِن الفاظ نے جن دلوں میں ارتعاش پیدا کیا۔ جن رُوحوں میں ولولۂ ایمانی کو بیدار کیا وہ انبوہ دَر انبوہ، گروہ دَر گروہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں اِس سفرِ ایمانی اور جادۂ قرآنی پر گامزن ہو گئے اور ایک ہی زقند میں پاکستان بنا ڈالا۔

قارئینِ محترم: آج تک اس کرۂ ارض پر قرآن کے نام پر صرف دو ہی حکومتیں قائم ہوئی ہیں اور صرف دو ہی مُلک بنے ہیں ایک رسالت مآب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ میں خود قائم کیا تھا اور دوسرا قائدِ اعظمؒ نے چودہ سو سال بعد، پاکستان کی شکل میں قائم کیا۔ اِن دو کے مابین جس قدر بھی نام نہاد اسلامی حکومتیں بنیں وہ ہوسِ مُلک گیری، ذاتی اقتدار اور ذاتی جاہ و حشمت کے لئے تھیں اسلامی یا قرآنی فکر سے اُن کی نسبت برائے نام بھی نہ تھی۔ دُور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا اور قرآن کے نام پر بننے والی یہ دونوں مملکتیں بھی مقصود بالذات نہ تھیں بلکہ ذریعہ تھیں، منزلِ ربّانیت اور نظامِ ربوبیتِ عالم کا ۔۔۔ ہُوا یہ کہ ان دونوں قرآنی مملکتوں کے اوّلین راہ نما، زیادہ دیر اپنے ہم سفروں کے درمیان نہ رہ سکے اور پہلی اُمّت اور دوسری ملّت دونوں ہی رفتہ رفتہ راستے کے پیچ و خم میں اُلجھتے گئے اور مقصد تاریک ہوتا گیا اور پھر وہ اندھی ڈگر پر اُس بُوت سپوّت کی مانند ہو کر رہ گئے جسے ہر ہر موڑ پر بھوت ہی بھوت دکھائی دیتے ہیں۔

آج اگر کوئی فرد یا جماعت جس کے دل میں شمعِ ایمانی کی کوئی کرن ابھی تازہ ہے۔ کوئی تڑپ ابھی زندہ ہے اور وہ اللہ کی حاکمیّت اور اُس کے اقتدار کا یہاں نفاذ چاہتا ہے تو اُسے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے بار بار اور بہ ہر پہلو یہ دیکھنا، سوچنا اور جائزہ لینا ہو گا کہ اس راستے میں کہاں کہاں نشیب و فراز ہیں اور وہ کون کون سی استحصالی قوتیں ہیں جنھیں کچل کر اور جن سے گزر کر ہی منزل کی آسودگی میسّر آسکتی ہے۔؟

یہ بات محتاجِ دلیل نہیں کہ کسی بھی درخت کی ایک ہزار شاخیں کیوں نہ ہوں اس کا تنا ایک ہی ہوتا ہے۔۔ اس کا بیج اور بُنیاد ایک ہی ہوتی ہے۔۔۔ اِسی طرح کسی بھی سماج میں ہزاروں لاکھوں اِستحصالی اور تخریبی قوتیں کیوں نہ ہوں ان کا بیج، ان کا تنا اور بُنیاد ایک ہی ہوتی ہے۔ شاخیں کاٹ بھی دی جائیں تو پھر نکل آتی ہیں۔ زندگی بھر شاخیں کاٹتے رہئیے۔ حاصل کچھ بھی نہیں ہو گا۔ کوئی نہ کوئی کونپل پھوٹتی رہے گی۔ اپنی ہی صلاحیت اور طاقت کند ہو گی اور نتیجہ میں پچھتاوا اور مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اِسی لئے اسلام بُرائی اور استحصال کی شاخوں کو نہیں، جڑ اور بُنیاد کو اکھاڑ پھینکنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ چور کو نہیں مارتا چور کی ماں کو ہلاک کرتا ہے تاکہ دوسرا چور جنم ہی نہ لے سکے۔ ہم اگر پاکستان کو نظامِ ربوبیتِ عالم کا مظہر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی صلاحیتوں کو شاخوں کی تراش پر ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ متحد ہو کر پُوری قوت سے تمام استحصالی قوتوں کے درخت کی جڑوں کو اِس سرزمین سے اُکھاڑ پھینکنا چاہیے۔ اس لاکھوں شاخوں والے درخت کی جڑ کا نام ہے۔ نظامِ سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت۔

میں پھر دوہرا دوں قارئینِ محترم کہ صرف نظامِ سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت۔ صرف ان دو کو مٹا دینے سے یہ معاشرہ پَل بھر میں جنّت نظیر بن جائیگا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی باقی رہی تو تباہی اور دُنیا و آخرت دونوں کا جہنم ہمارا مقدر بن کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت، اللہ کے قانونِ مکافاتِ عمل کی گرفت سے ہمیں بچا نہیں سکے گی

قارئینِ محترم:۔ ایک لمحہ کے لئے کبھی غور تو کیجئے کہ یہ نظامِ سرمایہ داری ہوتا کیا ہے۔؟ اس میں آخر ایسی کون سی بُرائی ہے کہ قرآن اسے تمام بُرائیوں کی جڑ قرار دیتا ہے۔ آئیے سیدھے سادے انداز میں اس کا سرسری سا جائزہ لیتے ہیں اور اس جائزے کے لئے بھی قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے ہر رسول کے سلسلے میں کہا ہے کہ اُس کے انقلابی پیغام کی مخالفت، سب سے پہلے سرمایہ دار طبقے کی طرف سے ہوتی ہے یعنی اُن لوگوں کی طرف سے جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں قرآنِ کریم نے ایسے لوگوں کے لئے ایک لفظ استعمال کیا ہے "مُترفین"۔ جس کے معنی ہیں "دوسروں کی محنت اور کمائی پر گُلچھرّے اُڑانا"۔۔۔ قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ یہ مُترفین پنپتے ہی مذہبی پیشوائیت کی تائید و حمایت سے ہیں یعنی اگر مذہبی پیشوائیت ان کی تائید و حمایت نہ کرے تو یہ زندہ ہی نہیں رہ سکتے اسی طرح مذہبی پیشوائیت کی زندگی اور بقاء "مترفین" کے دَم سے ہوتی ہے۔ یعنی مذہبی پیشوائیت اِن کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ اِس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو مُترفین یعنی سرمایہ دار طبقہ اور مذہبی پیشوائیت ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک ہی سانپ کے دو مُنہ ہوتے ہیں اور ایک ہی تلوار کی دو دھاریں ہوتی ہیں۔

سرمایہ داری کی بنیاد ربوا یعنی سُود پر ہوتی ہے۔ یعنی ایک شخص اپنا روپیہ فِکسڈ ڈیپازٹ میں رکھ دیتا ہے یا کسی بینک میں سیونگ اکاؤنٹ میں رکھ دیتا ہے اور اِس رقم پر ایک خاص مدّت کے بعد کچھ زیادہ رقم حاصل کرتا ہے۔ یا کسی کے کاروبار میں لگا دیتا ہے اور کاروبار کے منافع میں سے حصّہ وصول کرتا رہتا ہے۔ یا بٹائی اور کاشت کے لئے کسی کو زمین دیتا ہے اور اُس سے فصل کا کچھ حصّہ وصُول کر لیتا ہے یا کوئی مکان، دوکان، یا بلڈنگ بنا کرکے کرایہ پر دیتا ہے اور ہر ماہ اُس کا کرایہ وصول کرتا ہے۔ غرض کوئی بھی ایسا کام، تجارت یا طریقہ جس

میں انسان کی اپنی محنت شامل نہ ہو بلکہ دوسروں کی محنت میں صرف روپیہ لگایا جائے اور اس کا منافع حاصل کیا جائے ، اللہ اسے حرام قرار دیتا ہے ۔ قرآن نے صرف ایک اصول دیا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی: 53/39 ۔ انسان کے لئے معاوضہ صرف محنت کا ہے ۔

اب ذرا یہ دیکھئے کہ قتل سے بڑھ کر دنیا کے کسی بھی معاشرہ یا قانون میں کوئی جرم بھی سنگین نہیں ہے ۔ اللہ خود کسی ایک شخص کے قتل کو ایک نسل کا قتل بلکہ انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اس کے باوجود اللہ نے قاتل اور مجرم کے لئے ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں کئے جس قدر سُود لینے اور دینے والوں کے لئے کئے ہیں --- غور سے سنئے قرآن کیا کہتا ہے --- وہ کہتا ہے

"سُود لینے اور دینے والے اللہ اور اس کے رسُول کے خلاف ، اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ 2/279" رُک جائیے اور ایک لمحہ کے لئے غور کیجئے کیا آج ہم سب ، اللہ اور اس کے خلاف جنگ کے لئے میدان میں نہیں نکل آئے ہیں ؟ ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم جب کسی بینک میں اکاؤنٹ کھولتے ہیں تو ہماری رقم سے بینک سُود ہی کا کاروبار کرتا ہے بینکنگ کا تو سارا نظام ہی سُود کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے --- ہمارا اکاؤنٹ کھولنا --- بینک کے کاروبار میں معاونت کرنا ہے ۔ سُود کے نظام کی تائید اور سُود کے نظام کو مستحکم کرنا ہے --- جو لوگ رسول اور اللہ کے خلاف بغاوت کرتے ہیں ، اُن کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے --- یہ کیسی مضحکہ خیز صُورتِ حال ہے کہ جس کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں اور جنگ کا اعلان کر رہے ہیں اُسی سے نجات اور بخشش کے طلبگار بھی ہوتے ہیں ؟!!!

یاد رکھئے ہر سرمایہ داری نظام ، معاشرہ میں طبقے پیدا کرتا ہے ۔ عزت و شرافت کے معیار مقرر کرتا ہے جو امیر ہے وہ صاحب عزت قرار پاتا ہے جو غریب ہے وہ اگر سگا بھائی بھی ہو تو عزت کے قابل نہیں سمجھا جاتا ، امیر بھائی کے برابر کا درجہ نہیں رکھتا اور اس طرح سماج کی نظروں میں کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر کار

مقامِ انسانیت سے بھی گر جاتا ہے۔ اِسی لئے اللہ کے نزدیک یہ صورت اعلانِ جنگ کے مُترادف قرار پائی کہ اللہ اور اُس کے رسول کا تو سب سے پہلا اعلان ہی یہ ہوتا ہے۔

لقد کرّمنا بنی آدم۔ 17/70 ۔ دُنیا کے تمام انسان ایک جیسی عزت و تکریم رکھتے ہیں۔ کوئی ادنیٰ و اعلیٰ کم تر و بد تر نہیں ہے۔۔۔ کسی گورے کو کالے پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ بڑائی صرف عمل کی بُنیاد پر ملتی ہے۔۔۔ انسان ہونے کی جہت سے ہر شخص ایک جیسی تکریم اور عزت کا مستحق ہے۔ اب جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کے اِس اعلان کی نفی کرتا ہے اور اِس کے مقابل سماج میں طبقے بناتا ہے۔ عزت و تکریم کے خود ساختہ معیار مقرر کرتا ہے، اسے اللہ اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔

ظاہر ہوا کہ انسانیت کا سب سے بڑا استحصال، نظامِ سرمایہ داری ہوتا ہے۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسُول پر ایمان رکھتا ہے کبھی اِس نظامِ سرمایہ داری کی حمایت و تائید کر ہی نہیں سکتا۔

اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ جس طرح نظامِ سرمایہ داری سماج کو طبقوں میں تقسیم کر دیتا ہے بالکل اسی طرح مذہبی پیشوائیت اِنسانوں کو فرقوں میں بانٹ دیتی ہے۔ یعنی مترفین، طبقے بناتے ہیں اور مذہبی پیشوائیت فرقے بناتی ہے۔ کام دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے یعنی وحدتِ انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ اسی لئے اللہ کے نزدیک اس سے سنگین جُرم کوئی ہے ہی نہیں۔ طبقاتی اور فرقوں کی تقسیم کو اللہ نے شِرک سے بھی بد تر قرار دیا ہے۔۔ 42/13 ۔ رسُول تو آتے ہی اِس لئے تھے کہ طبقوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی اُمت کو یکجا کریں۔ ظاہر ہے اِس کی سب سے پہلی مخالفت بھی مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ دار طبقے ہی کی طرف سے ہوتی تھی کہ اُن کا کام اِس وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہوتا تھا۔

ایک بات کو دھیان سے سُن لیجئے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ بلکہ

فرقہ بندی شرک ہے ۔ 6 /160 جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میں سُنی ہوں یا شیعہ ہوں یا کسی بھی فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ سرے سے مسلم ہی نہیں رہتا ۔ 30/31 اس لئے کہ ہر فرقہ کسی نہ کسی فقہ کی پیروی کرتا ہے ۔ فقہ شرعی ضابطہ اور قانون کو کہتے ہیں ۔ مسلک کو کہتے ہیں ۔ اور ہر فقہ کا بنانے والا خواہ کوئی کتنا ہی جلیل القدر امام ہو ۔ وہ انسان ہی ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے ہم کسی نہ کسی انسان کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت کرتے ہیں جبکہ اسلام میں اطاعت اور حکومیت صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہوتی ہے ۔ مُسلم ہونے کے لئے پہلا اعلان ہی یہ کرنا ہوتا ہے لا الٰہ الاّ اللہ ۔۔۔ اقتدار اور حکومت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اِس کے بعد اگر کوئی شخص ، قرآن کے بجائے کسی فقہ کی بات کرتا ہے یا اُس کا اِتباع کرتا ہے تو وہ اس فقہ کو بنانے والے کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیتا ہے ۔۔۔۔

آپ نے دیکھا ۔۔۔۔ کہ مذہبی پیشوائیت نے کیا فریضہ انجام دیا ؟
اُس نے اِنسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت کروائی دوسرے انسانوں سے اور اُنہیں برگشتہ کیا جادۂ قرآنی سے ۔۔۔ اِسلام کے صدرِ اوّل میں نہ کوئی فرقہ تھا نہ طبقاتی اُونچ نیچ ۔ نہ کوئی سُنّی تھا نہ شیعہ ۔۔۔ نہ کوئی مولوی تھا اور نہ مذہبی پیشوائیت ۔ ایک اللہ تھا ایک رسُول تھا اور ایک ہی اُمت تھی اور اِس ایک اُمت کے ذمہ فریضہ تھا قیامت تک آنے والی نسلوں کی اِمامت کا ۔
آج ہمارے پاکستان کے سماج میں جس قدر بھی استحصالی قوتیں ہیں ان کی جڑ اور بُنیاد یہی طبقاتی اُونچ نیچ ، یہی فرقہ بندی اور یہی سرمایہ دارانہ نظام ہے ۔ آج دس کروڑ انسانوں کی قسمتوں کے مالک صرف چوالیس خاندان ہیں ۔ اور اِن چوالیس خاندانوں کے اِستحکام کا باعث ہے مذہبی پیشوائیت ۔ لہٰذا جس قلبِ حسّاس میں پاکستان کا درد ہے اور وہ استحصالی قوتوں سے پاکستانی سماج کو پاک وصاف کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ یہاں کے نظامِ معاشرہ

کو قرآنی اقدار کے تابع لے آنے اور اس کا آغاز اپنی ذات سے کرے یعنی اسلام اور قرآن کو سب سے پہلے اپنی ذات پر نافذ کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ذاتوں طبقوں اور فرقوں کے لیبل سے خود کو یکسر آزاد کر لیں ۔ مرزا ، میاں چوہدری ، زیدی ، بخاری ، نقوی ، شیخ ، سیّد اور اسی جیسی وابستگیوں سے الگ ہو جائیں ۔ ہماری شناخت صرف اور صرف اسلام ہو یعنی ہمیں صرف مُسلم ہونے اور کہلانے پر ہی فخر ہو ۔ اس کے بعد کوشش کریں کہ شعوری یا غیر شعوری کسی بھی طور ، ہم سے ایسا کوئی عمل سرزد نہ ہو جس سے نظامِ سرمایہ داری کو استحکام اور دوام حاصل ہو یا اس نظام کو پنپنے کا مزید موقع ملے ۔ مذہبی پیشوائیت کے بُت کو فی الفور توڑ دینا چاہیئے ۔ یاد رکھئے ہر مسلم خود نکاح پڑھا سکتا ہے ۔ نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے ۔ نومولود کے کان میں اذان دے سکتا ہے ۔ اور ہر وہ دینی فریضہ انجام دے سکتا ہے جو کوئی مولوی یا مولانا انجام دیتے ہیں ۔ ہمیں آج ہی سے تکریم انسانیت کا آغاز کر دینا چاہیئے ۔ کسی بھی انسان کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہیئے خواہ وہ معاشرے کے ادنیٰ ترین طبقے سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو بلکہ محنت کش طبقہ یعنی مزدور ، مزارع ، کسان ، قلی ، ملازم حتیٰ کہ خاکروب تک کی عزت زیادہ کرنی چاہیئے کہ محنت کرنے والے کو اللہ اپنا دوست کہہ کر پکارتا ہے اور یہ طبقہ ایسا کام کرتا ہے جو ہم خود بھی نہیں کر سکتے ۔ ہمیں یہ عہد کر لینا چاہیئے کہ ہم اپنی ہی محنت کی کمائی پر اکتفا کریں گے اور ہر وہ لقمہ خود پر حرام سمجھیں گے جو اپنی کمائی کا نہ ہو کہ سب سے بڑی استحصالی قوت تو آج ہر انسان خود ہے ۔

عالمی امن

یہ دُنیا سراپا جنت کیسے بنے گی؟

نفسِ مضمون

اقتباسات

○ ۔ " انسانوں کے بنائے ہوئے کُل کے نظریات آج کے انسانی شعور کے ارتقاء کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہمیں ترقی کرنا ہے اور زمانے کے ساتھ چلنا ہے تو ان نظریات کو مُسترد کرنا پڑے گا۔" (میخائل گورباچوف)

○ ۔ " کرۂ ارض پر سمندروں، میدانوں اور بستیوں میں ہر جگہ فساد بپا ہے اور یہ سب لوگوں کا اپنا کیا کرایا ہے۔ اِس کے ذمّہ دار خود ان کے خود ساختہ نظامِ حیات ہیں۔" (3/41) (قرآن حکیم)

○ ۔ " انسان اپنے اُوپر خود ہی تباہیاں لا رہا ہے۔ اسے انسانی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" (مصنور ڈ) امریکی مفکر

○ - " نوعِ انسان کی پوری تاریخ میں اِس قسم کا دور کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبتوں سے کچلی جا رہی ہے۔ تباہ ہو رہی ہے۔" (لارڈ سنل)

○ - " آج کا انسان اپنے اندر کی دنیا میں جھانکتا ہے تو وہاں اُسے باہر سے بھی زیادہ تاریکیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ تاریکیاں اُس پر ایسا خوف مسلط کر دیتی ہیں جو اُس کے اعصاب کو مفلوج بنا دیتا ہے۔" ڈاکٹر ینگ (مغرب کا مشہور ماہرِ نفسیات)

○ - " وہ زندگی جس میں نہ تو ایمان کی گرمی ہو اور نہ اخلاقی ضابطہ کی کشش وہ موت سے بھی بدتر ہوتی ہے۔" (پسکال)

○ - " امن قائم ہوتا ہے یک جہتی سے۔ مفادات کی ہم آہنگی و ہم رنگی سے۔ انسانیت کے احترام اور ذات کی تکمیل سے اور امن تباہ ہوتا ہے خود پرستی سے۔ اغراض اور مفادات کے باہمی ٹکراؤ سے۔ عدمِ ایمان اور منافقانہ دوشی زندگی سے جب انسان خود کو وحدتِ انسانی سے الگ کر کے گروہوں، ذاتوں، نسلوں، فرقوں اور ٹکڑوں میں بانٹ لے گا تو اس کا لازمی نتیجہ تباہی اور ہولناک تباہی نکلے گا۔"

○ - " مذہب میں ارتقاء نہیں ہوتا وہ جامد و ساکت ہوا کرتا ہے لیکن دین ایک نظام ہوتا ہے ضابطۂ حیات ہوتا ہے اور چونکہ حیات ارتقاء پذیر ہوتی ہے لہٰذا دین بھی زمانے کے ساتھ ساتھ چلتا بلکہ رہبری کے فرائض انجام دیتا ہے مذہب انسان کو انسان سے دور کرتا ہے۔ جنگ، نفرت، عداوت اور اغراض و مفادات کو جنم دیتا ہے جبکہ دین تمام انسانیت کی بقاء اور فلاح چاہتا ہے۔"

○ - " اللہ ہر کام میں مداخلت نہیں کرتا۔
- معجزہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ قانونِ قدرت کی نفی کرتا ہے۔
- دعا یا تعویذ مصیبت اور طوفان کو نہیں ٹال سکتے۔
- انسانی ارادہ آزاد ہے۔ عمل کے نتائج قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔"
ابنِ رشد۔ (عظیم مفکرِ اسلام)

عزیزانِ محترم!

اِس سیمینار کے لئے مجوزہ موضوع دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ہے "عالمی امن کی اہمیت" اور دُوسرا حصہ اِس امن کے فروغ کے بارے میں ہے۔ اِس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارا عالمی اجتماعی نظامِ حیات اِس وقت اپنی بنیادوں پر لرز رہا ہے۔ بنی نوعِ انسان، اپنا حسن، اپنی صحت اور امن و توازن کھو بیٹھی ہے اور ہم اجتماعی اعمال و کردار کے اُس موڑ تک آگئے ہیں جہاں سے تاریخ "الرٹ" ہو جاتی ہے اور قوموں کی تباہی و بربادی کے نقوش اور واقعات کو اپنے دامنِ قرطاس پر منعکس کرنے کے لئے آمادۂ عمل ہو جاتی ہے۔

عزیزانِ قوم یہ صرف میں نہیں کہہ رہا میرے ہم نوا دُنیائے دانش و بینش کے وہ حکماء و علماء بھی ہیں جن کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ سَنَد اور ریفرنس ہوا کرتا ہے۔ لارڈ رسل اپنی کتاب "The New World" میں لکھتا ہے۔

"نوعِ انسان کی پُوری تاریخ میں اِس قسم کا دَور کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اِس وقت تہذیب ایک دوراہے پر کھڑی ہے اور یہاں سے اگر ایک قدم بھی غلط سمت کی طرف مُڑ گیا تو وہ اسے برباد بلکہ فنا کر دے گا۔ یُوں تو انسان کی طُول طویل تاریخ میں بہت سے مواقع آئے ہیں لیکن موجودہ دَور نہ صرف ان سے وسعتوں اور پہنائیوں میں بڑا ہے بلکہ ان سب سے زیادہ پیچیدہ اور پریشان کن ہے۔"

"۔۔۔۔اِس سے پہلے منظم شر کی قوتیں کبھی اِس قدر زور آور نہیں ہوئی تھیں۔ اب تو ان سے نجات کا راستہ ہی دکھائی نہیں دیتا۔ ہر ملک ویرانہ بن رہا ہے اور اس

ویرانہ پر افلاس، امراض اور اموات کے شیاطین منڈلا رہے تھے --- نوعِ انسان اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبتوں سے کچلی جارہی ہے۔ تباہ ہو رہی ہے ---"

عزیزانِ محترم یہ تو ہے انسانی معاشرہ کی اجتماعی تباہ کاریوں کا تذکرہ --- اس معاشرہ کے اندر خود فرد کی کیا حالت ہے اس کے متعلق مشہور امریکی مفکر ممفورڈ اپنے ضخیم مقالہ The Conduct of Life میں لکھتا ہے

"ہم تاریخ میں اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں انسان خود اپنا بدترین دشمن بن چکا ہے۔ مغربی کلچر انسان کا ترجمان نہیں رہا۔ یہ انسان سے باہر کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور خود انسان کا دشمن ہے۔ اس تہذیب کے خلاف، اس سے شدید تر تنقید اِس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے اوپر خود ہی تباہیاں لارہا ہے اسے انسانی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

---0---

Psycho Analysis کے مشہور ماہر ڈاکٹر ینگ نے ہزارہا مریض نوجوانوں کے تجزیۂ نفس کے بعد ایک کتاب لکھی ہے Modern man insearch of soul عزیزانِ قوم توجہ سے سُنئے وہ کس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"عصرِ حاضر کا انسان مفلوج انسان ہے۔ اندھے حوادث کے مقابلے سے ہراساں۔ یعنی اُن وحشی قوتوں کے مقابلہ میں جن پر وہ اپنے دَور کی معاشی اور سیاسی تدابیر کے زور سے قابو نہیں پا سکتا یہ تو ہے اس کی خارجی دنیا کی حالت اور اگر وہ اس اندر کی دنیا سے جہاں تخریب و تعمیر کی قوتیں ہر وقت ترازو کے پلڑوں کو اُٹھاتی اور جھکاتی رہتی تھیں اپنے اندر کی دنیا کی طرف جھانکتا ہے تو وہاں اُسے باہر سے بھی زیادہ تاریکیاں دکھائی دیتی تھیں اور یہ تاریکیاں اس پر ایسا خوف مسلط کر دیتی تھیں جو اس کے اعصاب کو مفلوج بنا دیتا ہے۔"

عزیزانِ مکرم آپ نے مغرب کے تین مفکرین کے خیالات سُنے اور اندازہ لگایا کہ

آج اگر دنیا سے امن و سکون غارت ہو گیا ہے تو اس عدم توازن اور تباہی کا سبب بھی خود انسان ہے۔ لیکن یہ تو مرض اور مرض کی تشخیص تھی اس کا سبب کیا ہے ؟
یہ بھی ایک مشہور مغربی مفکر "الفریڈ کوبن" اور عظیم مغربی فلاسفر "پسکال" کی زبان سے سُن لیجئے۔ ان دونوں کے خیال میں تباہیوں کے موجودہ جہنم کا سبب ہے۔ ایمان سے دوری۔ "الفریڈ" کہتا ہے

"جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ انسان، ایمان کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے اُسے دَورِ حاضر کے نوجوانوں کی حالت کا مطالعہ کرنا چاہئیے جو اس تلاش میں مضطربانہ پھر رہے ہیں کہ کوئی شے ایسی مل جائے جس پر ایمان لایا جائے۔"

ایمان کے لئے انسان کی اس مضطربانہ تلاش کی کیفیت کیا ہے اس کے لئے مشہور فلاسفر "پسکال" کے یہ الفاظ گہری توجہ کے محتاج ہیں۔

"انسانی ذہن اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے اور اسی طرح انسان کا ارادہ بھی کسی نہ کسی سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔ جب اُسے ایمان اور محبت کے لئے کام کی باتیں نہیں ملتیں تو وہ بے کار اور خراب مقاصد پر ریجھ جاتا ہے۔ خلا قدرت کے کارخانے میں محال ہے اور محض مادی دنیا میں نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی دنیا میں بھی خلا، نا ممکن ہے۔ انسان جب خدا پر ایمان چھوڑ دے تو شیطان کی پرستش کرنے لگ جاتا ہے اور اچھے نصب العین سے دست کش ہو جائے تو بُرے راستے اُس کو راس آنے لگتے ہیں وہ زندگی جس میں نہ تو ایمان کی گرمی ہو اور نہ اخلاقی ضابطہ کی کشش، وہ موت سے بھی بدتر ہوتی ہے۔"

یاد رکھئے عزیزانِ عالی قدر کہ "Essence of Christianity" میں پیش کئے گئے یہ خیالات مارکس، اینجلز اور لینن کے اُن دعاوی کے بعد کے ہیں۔ لینن نے بڑے واضح اور کھلے ہوئے لفظوں میں کہا تھا "ہم اُن تمام ضوابطِ اخلاق کو مسترد کرتے ہیں جو کسی مافوق البشر سرچشمہ یا غیر طبقاتی تصور کے پیدا کردہ ہوں ہم اعلانیہ کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا اِس قسم کا تصور فریب ہے۔ دھوکا ہے۔ یہ تصور

جاگیرداروں اور سرمایہ کاروں کے مفاد کے تحفظ کی خاطر۔ محنت کشوں اور کاشتکاروں کے دلوں کو تاریکی اور دھند میں رکھنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ سرمایہ داروں کا دعویٰ ہے کہ اُن کا ضابطۂ اخلاق احکامِ خداوندی پر مبنی ہے۔ ہم خدا وغیرہ کچھ نہیں جانتے۔ ہم اُسے مانتے ہی نہیں۔ ہم کسی اَبدی صداقت کے قائل نہیں۔ اِس قسم کے اخلاق کے متعلق جس قدر افسانے وضع کئے گئے ہیں۔ ہم اُن سب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیں گے۔ " (MARX_ENGELS MARXISM PP461_465) عزیزانِ گرامی قدر اَبدی صداقتوں اور اخلاقی ضابطوں یا قدروں کا پردا چاک تو لینن نہ کر سکے لیکن ستّر سال بھی نہیں گذرنے پائے ہیں کہ سوویت یونین ہی کے معروف دانشور اور آج کے سوویت صدر مسٹر میخائل گورباچوف نے گزشتہ ماہ اپنی عالمی معیار کی نشری تقریر میں لینن کے نظریہ کا پردا چاک ضرور کردیا جب اُنہوں نے کھلے لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ

" کل کے نظریات آج کے انسانی شعور کے اِرتقا کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہمیں ترقی کرنی ہے اور زمانے کے ساتھ چلنا ہے تو اِن نظریات کو مُسترد کرنا پڑے گا۔"

رُک جائیے عزیزانِ محترم! کچھ دیر کے لئے اِسی مقام پر رُک جائیے۔ سوچئے غور کیجئے کہا کیا گیا ہے؟ بات کیا بنی ہے؟ میں سمجھتا ہوں مسٹر گوربا چوف کے یہی الفاظ نہ صِرف عالمی امن کی بُنیاد بن سکتے ہیں بلکہ عالمی امن کے فروغ کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔ اُن کے جملے میں جہاں " کل کے نظریات " کی بات کی گئی ہے بریکٹ میں اپنی طرف سے میں چند لفظوں کا اضافہ کر رہا ہوں " (یعنی انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات) اب مسٹر گورباچوف کے جملے کو دوبارہ سنئے۔

" کل کے نظریات (یعنی انسانوں کے وضع کردہ نظریات) آج کے انسانی شعور کے اِرتقا کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہمیں ترقی کرنی ہے اور زمانے کے ساتھ چلنا ہے تو اِن نظریات کو مُسترد کرنا پڑے گا۔" اور اِس کے ساتھ ہی ساتھ ابدا میں دنے

گئے تین مغربی دانشوروں کے اقتباسات کے آخری جملے ذہن میں لائیے تو بات اور بھی نکھر کر سامنے آجائے گی۔ لارڈ سنل کے اقتباس کا آخری جملہ ہے

"نوعِ انسان اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبتوں سے کچلی جارہی ہے۔ تباہ ہو رہی ہے۔" ممفورڈ کے اقتباس کا آخری جملہ ہے۔

"انسان اپنے اوپر خود ہی تباہیاں لا رہا ہے۔ اُسے انسانی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اور ڈاکٹر ینگ کا اختتامی جملہ ہے۔

"انسان اپنے اندر کی دنیا میں جھانکتا ہے تو وہاں اُسے باہر سے بھی زیادہ تاریکیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ تاریکیاں اُس پر ایسا خوف مُسلّط کر دیتی ہیں جو اُس کے اعصاب کو مفلوج بنا دیتا ہے۔" اور آخر میں ڈیڑھ ہزار سال پہلے نشر کیا گیا قرآنِ کریم کا اعلان سُنئے۔

ظَہَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَالبَحرِ بِمَا کَسَبَت اَیدِی النَّاسِ (3/41)

مفہوم: کرۂ ارض پر خشکی اور تری میں، ہر جگہ فساد برپا ہے اور یہ سب، لوگوں کا اپنا کیا کرایا ہے اِس کے ذمہ دار خود اِن کے خود ساختہ نظامِ حیات ہیں۔

اَمن قائم ہوتا ہے۔ یک جہتی سے، مفادات کی ہم آہنگی و ہم رنگی سے اور اَمن تباہ ہوتا ہے۔ خود پرستی سے، اپنی اغراض اور اپنے مفادات کے باہمی ٹکراؤ سے۔ جب انسان خود کو وحدت سے الگ کر کے گروہوں، ذاتوں، نسلوں فرقوں اور ٹکڑوں میں بانٹ لے گا تو اِس کا لازمی نتیجہ تباہی نکلے گا۔ سراہی شعر ہے۔

تاریخ نے کُھرچ دیا، صفحوں سے اُن کا نام
مقصد ہی، جن کے سامنے، اپنی بقاء کا تھا
جنّت نِدوش قومیں وہی تھیں کہ جن کے ساتھ
ہر ہر قدم پہ فیصلہ ربّ العلاء کا تھا

اور ربّ العلا کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر داخلی اور خارجی امن چاہتے ہو تو مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو پھر سے متحد کر لو اور پھر سے اُمّتِ

واحدہ بن جاؤ اور اللہ کے قانون کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ عزیزانِ محترم یاد رکھئے مذہب اور دین میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مذہب انسانوں کا بنایا ہُوا ہوتا ہے اور اس میں ارتقا نہیں ہوتا وہ جامد و ساکت ہُوا کرتا ہے اور دین ضابطۂ حیات ہوتا ہے اور چونکہ حیات ارتقاء پزیر ہوتی ہے لہذا دین بھی زمانے کے ساتھ ساتھ چلتا بلکہ رَہبری کے فرائض انجام دیتا ہے۔ مذہب اندھی عقیدت کا نام ہوتا ہے اور صرف اپنے ماننے والوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے۔ اُس کی نظر میں ساری دُنیا جہنم کا ایندھن بنتی ہے۔ مذہبؔ انسان کو انسان سے دُور کرتا ہے۔ جنگ، نفرت، عداوت اور اغراض و مفادات کو جنم دیتا ہے جبکہ دینؔ تمام انسانیت کی بقاء و فلاح چاہتا ہے اور چونکہ اِس وقت کرۂ ارض پر کوئی مذہب اور دین ایسا نہیں ہے جس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی کردہ ضابطۂ ہدایت محفوظ ہو (سوائے قرآنِ مکرّم کے) لہذا کوئی مانے نہ مانے چاہے نہ چاہے ایک نہ ایک دن سب کو آنا اسی کی طرف پڑے گا اور یقین جانئے اُس وقت تک نہ تو عالمی امن قائم ہوسکے گا اور نہ انسانیت پنپ سکے گی۔ ہمیں بہر حال انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات اور مذاہب کو ترک کرنا پڑے گا کہ کل کے نظریات آج کے ارتقاء و امن کی ضمانت نہیں بن سکتے۔ کہ اندھی عقیدتوں سے جو اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ فریبِ نفس ہوتا ہے۔ اطمینان نہیں ہوتا۔ اطمینان وہی ہوتا ہے جو عقل و بصیرت کی روشنی میں حاصل ہو۔ اندھی تقلید سے نہ ہو۔۔۔ شکریہ

یہ تفسیریں یہ تاویلیں

نفسِ مضمون
اقتباسات

○ - "کسی فرقے کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔ سب اللہ رسول اور قرآن کو مانتے ہیں لیکن سب ہی کا اسلام جدا جدا ہے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ قرآن وہ نہیں رہا جو سطروں میں درج تھا۔ قرآن وہ کہلایا جو حاشیوں اور تفسیروں میں لکھا گیا ہے۔"

○ - "یہ سب تاویل کی بدولت ہے کہ آج پاکستان کی اسلامی مملکت کے ہر بڑے شہر میں بازارِ حسن بھی سجے ہیں اور انہیں باقاعدہ فیس لے کر پرمٹ اور رجسٹریشن عطا کی گئی ہے اور سود، ریس، سٹہ اور اعلیٰ پیمانہ پر گیمبلنگ کی طرح جسم فروشی بھی حلال قرار پا چکی ہے۔"

o ۔ جب ہم انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم کر لیتے ہیں تو گویا قوانین بنانے والے انسانوں کو اللہ کے برابر لا کھڑا کرتے ہیں۔ یہ جو فقہ اور فقہی قوانین ہوتے ہیں یہ بھی انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے اللہ کے قانون (قرآن کریم) کے بجائے ان فقہی قوانین کی اطاعت کو قبول کر لیا ہے۔"

o ۔ " ڈکٹیٹر شپ، سرداری، بادشاہت، پارلیمانی طرز حکومت، موجودہ جمہوریت یا کوئی بھی ایسا طریقہ۔، جس میں ایک انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ، دوسرے انسانوں کے لئے قوانین بنائے "شرک قرار پاتے ہیں۔ ان کے بنانے والے، انہیں نافذ کرنے والے اور انہیں تسلیم کرنے والے سب یکسر مشرک بن جاتے ہیں۔"

o ۔ " ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں میں سے کسی ایک کا منشور قرآن کے متشکل کردہ اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔ ووٹ دینے سے پہلے سوچ لیجئے۔ جسے آپ ووٹ دے رہے ہیں، شعوری طور پر اسے اللہ کے برابر ٹھہرا رہے ہیں کیونکہ (بذریعہ ووٹ) اسی کے بنائے ہوئے قوانین اور منشور کے اتباع کا عہد کر رہے ہیں۔"

o ۔ " یہ پرائز بانڈز۔ لاٹری کے ٹکٹ۔ ریفل ٹکٹ۔ قرعہ اندازیاں، جمع شدہ دولت پر منافع (INTEREST) انشورنس کی رقم۔ بینک کے کھاتے۔ سیونگ سرٹیفکیٹ۔ سلیپنگ پارٹنرشپ۔ ملوں، کمپنیوں اور اداروں کے شیئرز۔ مکانوں اور دکانوں کے کرائے۔ زمین کی بٹائی۔ غرض ہر وہ کمائی جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو قرآن کی رو سے حرام ہے۔ 53/39 بلکہ جو لوگ اس طریقے سے دولت کماتے ہیں ان کے لئے عذاب شدید کی وعید ہے۔ سنئے

" ان سونے اور چاندی کے سکوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا (یعنی محنت کے بغیر حاصل کر رکھا تھا) سو اب چکھو اس کا مزہ۔" 9/34-35

اسلام علیکم حاضرین کرام!

لمبی چوڑی تقریر کا ارادہ نہیں ہے۔ صرف کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔ آج کے مذاکرے کا عنوان ہے:

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مُفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

اِس عنوان یا اس شعر میں احکام، حق، مُفسّر، تاویل، قرآن اور پاژند یہی چھ باتیں ہیں جنہیں سمجھ لیا جائے تو سارا قرآن اور مُنشائے الٰہی سامنے آجاتا ہے۔

احکام:

حکم کی جمع ہے اور بنیادی حکم صرف ایک ہے "لا اِلٰہ اِلّا اللہ" اقتدار اور حُکمرانی صرف اللہ کی ہے کسی انسان کو خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انسان پر اپنا حکم مسلط کرے یا کسی کو اپنا مطیع اور تابع بنائے۔ اِس واضح اور دو ٹوک حکم کے بعد، انسانوں کے وضع کردہ تمام نظام ہائے حکومت باطل قرار پاتے ہیں۔ ڈکٹیٹر شپ، سرداری، بادشاہت، پارلیمانی طرزِ حکومت مَوجُودہ جمہوریت کا نظام یا کوئی بھی ایسا طریقہ جس میں ایک انسان یا انسانوں کی کوئی جماعت دوسرے انسانوں کیلئے قوانین بنائے، شرک قرار پاتے ہیں۔ ان کے بنانے والے، اِنہیں نافذ کرنے والے اور اِنہیں تسلیم کرنے والے، سب یکسر مشرک بن جاتے ہیں۔

قرآنی اصطلاح میں شرک کی صرف ایک ہی تعریف ہے۔ یعنی اللہ کی ذات، صفات اور اِقتدار میں غیر اللہ کی شراکت۔ جب ہم انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم کر لیتے ہیں تو گویا قوانین بنانے والے انسانوں کو اللہ کے برابر ٹھہرا لیتے ہیں۔ اِس کے بعد ہم ہزار کچھ کہیں، کریں۔ عبث ہے، بیکار ہے، اور خود فریبی ہے۔ ہم سِرے سے مسلم ہی نہیں رہتے۔

یہ جو فقہ اور فقہی قوانین ہوتے ہیں یہ سبھی انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے اللہ کے قانون کی اطاعت کے بجائے فقہی قوانین بنانے والوں کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اسی لئے فرقہ بندی شرک قرار پائی ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ میں شیعہ ہوں یا سُنی ہوں یا کسی امام کو مانتا ہوں یا کسی بھی انسان کی پیروی جائز سمجھتا ہوں تو وہ خود کو دائرہ اسلام سے خارج کر لیتا ہے۔ لَا یُشرِکُ فِی حُکمِہ اَحَدا "اللہ اپنے حُکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

دوستو الیکشن آتا ہے تو متعدد سیاسی اور مذہبی تنظیمیں اقتدار حاصل کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں۔ آپ میں سے اکثر لوگوں کی ہمدردیاں بھی کسی نہ کسی کے ساتھ ہوتی ہیں لیکن مت بھول جائیے کہ قرآن اور قرآنی احکام ہم تک مکمل شکل میں پہنچ چکے ہیں۔ اور ان تمام جماعتوں میں سے کسی ایک کا بھی

منشور قرآن کے متشکل کردہ اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی نہیں ہے جو کہے کہ ہم اس ملک میں قرآن کو نافذ کریں گے اور اللہ کی حکومت قائم کریں گے۔ ہر جماعت یا شخص صرف اور صرف اپنا اقتدار اور اپنی حکومت کا خواہش مند ہے ووٹ دینے سے پہلے سوچ لیجئے جسے آپ ووٹ دے رہے ہیں۔ شعوری طور پر اسے اللہ کے برابر لا کھڑا کر رہے ہیں اسی کے بنائے ہوئے قوانین اور منشور کے اتباع کا عہد کر رہے ہیں۔۔۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ قرآنی فکر رکھنے والا، کوئی شخص کھڑا ہو کر اعلان کرتا۔ لوگو مجھے نہیں اللہ کو ووٹ دو جس طرح اس مُلک کو بناتے وقت تم نے اللہ کو ووٹ دیا تھا، اللہ کے نام پر ووٹ دیا تھا (واضح رہے کہ اللہ انسانوں کی دنیا میں انسانوں ہی کے ذریعے سے اپنے قوانین کی حکومت قائم کرتا ہے) وہ شخص اعلان کرتا کہ ہمیں ووٹ دو گے تو ہم اس ملک میں قرآن کا منشور، قرآن کا نظام اور قرآن کے احکام نافذ کریں گے۔ پھر صحرائے چولستان میں ہو یا تھرپارکر میں یا دریائے کنہار کے کنارے اگر ایک

کُتا بھی بھوک سے مرے گا تو ہم اس کیلئے جواب دہ ہونگے۔

کیا مضحکہ خیز صُورت ہے کہ اللہ کے نام پر قائم کئے گئے اِس ملک میں چالیس بیالیس سال سے اسلام تو درکنار ملوکیت اور شہنشاہیت کے وضع کردہ نام بھی جُدا نہیں کرسکے۔ وزارتیں، وزیر، وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم جیسے الفاظ آج بھی بے محابا استعمال کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ وزیر تو ہوتا ہی بادشاہ کا ہے۔ محسوس طور پر بادشاہت نہ سہی مگر نام اور کاروبارِ حکومت سب وہی ہیں جو حاکموں اور بادشاہوں کے تھے۔ دَورِ ملوکیت کے تھے۔ آج بھی مرکز اور صدر مقام کیلئے ہمارے ہاں دارالسلطنت اور دارالحکومت کے الفاظ ہی مستعمل ہیں۔

حق: دوسرا لفظ حق ہے۔ راستی، سچائی، نیکی، درست، ٹھیک، اختیار، روشن اور واضح۔ یہ سب اس ایک لفظ کے معنی ہیں۔

سُورج کی کرن خود بھی روشن ہوتی ہے اور جس مقام پر پہنچتی ہے اُسے بھی اور اُس سے متعلق تمام چیزوں کو بھی واضح اور روشن کر دیتی ہے۔ اِسی لئے خود ربّ العزت نے قرآن کیلئے بھی حق اور نُور کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو خود بھی واضح اور روشن ہے اور جس جگہ پہنچتا ہے وہاں کی ہر چیز کو بھی منوّر کر دیتا ہے ارشادِ حق تعالیٰ ہے کہ جب حق تم تک پہنچ جائے تو وحی کی روشنی میں، علم و بصیرت کی رُو سے اس پر غور و فکر کرو اور پھر قلب و نظر کے کامل اطمینان کے ساتھ اسے پُورے کا پُورا قبول کرلو۔ حق کے اس طرح تسلیم کئے جانے کو دین کی اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں۔ حق اپنی جگہ اٹل ہوتا ہے۔ جو قوم اس سے آنکھ چرا کرگزر جانے کی کوشش کرتی ہے۔ تباہ ہوجاتی ہے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے۔

عزیزانِ محترم! کیا یہ روشنی، یہ حق ہم تک اس طرح پہنچا ہے کہ زندگی کے سارے گوشے جگمگا اٹھے ہیں یا ہم شعوری اور غیر شعوری طور پر اس سے آنکھ چرا کرگزر جانے کی سعیٔ مسلسل فرما رہے ہیں؟

یاد رکھئے! ایک مومن اور کافر میں فرق ہی صرف اتنا ہے کہ کافر ہوتا ہے، مگر

بُجھے ہوئے بلب کی طرح ہوتا ہے۔ جسارِ اہلیت میں ہوتا ہے یا سیت کا مارا ہوا شکار (DePression)۔ لیکن مومن روشن بلب کی طرح ہوتا ہے۔ خود بھی مُنوّر ہوتا ہے اور گردو پیش کو بھی مُنوّر کر رہا ہوتا ہے۔

سوچنا تو یہ ہے کہ کیا قرآن پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کے بعد ہم خود بھی روشن ہو گئے ہیں اور دوسروں کو بھی روشن کر رہے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر زیرو بلب کی طرح جل رہے ہیں۔ مدّھم، دھیمے، دُھندلے۔ جائزہ لیجئے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حق پا کر بھی ہم نے حق کو مکمل طور پر قبول نہیں کیا؟

ورنہ ممکن نہ تھا کہ ہم سُورج کی طرح نہ جگمگا رہے ہوتے ــــ

قرآن، صرف سُننے، سُنانے کا ہی تو نام نہیں ہے کہ سُننے سُنانے کا کام تو ہم گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے کرتے ہی آ رہے ہیں۔ یہ عمل کا بھی نام ہے اگر عمل کا آغاز ہم ایمان کے دعویدار نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ دوسروں تک تو قرآن پہنچا ہی نہیں ہے۔ مذہب، فقہ اور رسم و رواج کے پلندے پہنچے ہیں اور وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔ اور اس سختی سے عمل پیرا ہیں کہ داد دینا پڑتی ہے۔ ہماری ذمّہ داریاں ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ ہمیں متحد ہونا چاہیے۔ قرآنی برادری بننی چاہیے۔ مذہب کے جہنم سے نکل کر دین کی جنت میں آ جانا چاہیے۔ ہمیں حق کو مکمل اور پُورے کا پُورا تسلیم کر لینا چاہیے، دوسروں کو تو کسی مہدی کا انتظار ہے، ہمیں کس کا انتظار ہے، جو آنا تھا، آ چکا۔ ہم یہ مُہلت کا وقفہ یہ سانسیں کیوں گنوا رہے ہیں، کس لئے گنوا رہے ہیں؟

عزیزانِ محترم! مت بھولئے کہ وہاں سے واپس آ نہیں سکتے، وہاں جا کر مر نہیں سکتے زندہ رہیں گے اور اسی جہنم کے ساتھ زندہ رہیں گے جو یہاں سے ساتھ لے جائیں گے۔

لِلّٰہ مُہلت کے اِس وقفہ سے فائدہ اٹھا لیجئے اور قلب و دماغ کی کامل رضا مندی کے ساتھ اطمینان کے ساتھ حق کو پُورے کا پُورا قبول کر لیجئے۔

مُفسِّر: تیسرا لفظ مُفسِّر ہے۔ معنی ہیں تفسیر کرنے والا، کھول کر معانی بیان کرنے والا۔ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہی نہیں بلکہ ابدی اور دَوامی کتاب بھی ہے اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے لیا ہے، کوئی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، نہ ایک لفظ کا اضافہ کر سکتا ہے۔ قرآن اپنی صداقت اور من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ پیش کرتا ہے کہ اگر تم اسے اللہ کی بجائے کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو اور پھر خود ہی دعویٰ کرتا ہے کہ یقیناً تم ایسا نہیں کر سکو گے (10/38)۔

قرآن کے الفاظ بھی قرآنی احکامات و قوانین کی طرح ابدی ہیں اور اٹل ہیں۔ اس میں نہ کوئی پیچیدگی ہے، نہ ابہام۔ ہر بات سیدھی، واضح اور کھول کھول کر بیان کی گئی ہے اور خود اللہ نے ایک ایک بات کی وضاحت مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے اس طرح بیان کی ہے کہ قرآن اپنی تفسیر بھی خود ہی کرتا دکھائی دیتا ہے (25/ 33-31)۔

حاضرینِ کرام اسلام کا دَورِ اوّل نظروں میں لائیے۔ عربوں کا ذکر نہیں کہ انکی تو زبان ہی عربی تھی لیکن جب قرآن غیر عربوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو بات تب بھی سیدھی دل میں اُترتی چلی جاتی تھی اور سُننے والے ہجوم دَر ہجوم حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے اور دَورِ خلافت کے مختصر سے عرصے ہی میں اسلام تقریباً سارے زمانے سے رُوشناس ہو چکا تھا۔ حالانکہ اُس وقت نہ ذرائع اَبلاغ کی اَرزانی تھی اور نہ رَسائل و وَسائل کی فراوانی۔ غور طلب امر یہ ہے کہ وہی قرآن ہے کہ نسل دَر نسل سُنتے چلے آ رہے ہیں مُفسّرین سمجھانے چلے جا رہے ہیں تشریحات کے انبار آسمان کی حدوں تک جا پہنچے ہیں، صبح سے شام تک ریڈیو، اخبار، ٹی وی اور مسجدوں کے لاؤڈ سپیکرز قرآن ہمارے کانوں میں اُتارے چلے جا رہے ہیں لیکن قرآن ہے کہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا۔ بلکہ جتنا سنا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ بوریت اور بیزاریت کا احساس ہوتا ہے۔ خاص طور پر نوجوان

نسل میں تو یہ احساس شدید تر پایا جاتا ہے۔

غور کیا آپ نے اِس کی وجہ کیا ہے۔؟ وجہ ہیں ہمارے مفسرین۔ اسلام میں جب ملوکیت در آئی اور اُمت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، فرقوں میں بٹ گئی تو ہر فرقہ کا قرآن تو وہی رہا کہ جو تھا لیکن قرآن کی تفسیریں اور ترجمے ہر فرقے کے اپنے عقیدے کے مطابق کئے جانے لگے۔ حاضرین کسی فرقے کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔ سب قرآن کو مانتے ہیں اِس کے باوجود سب کا ہی اسلام جُدا جُدا ہے اِس کی ایک ہی وجہ ہے کہ قرآن وہ نہیں رہا جو سطروں میں درج تھا۔ قرآن وہ کہلایا جو حاشیوں میں لکھا گیا تھا اور جس میں مفسرین نے اپنے اپنے خیالات کو اللہ سے منسوب کر کے بیان کیا تھا۔ ایک ایک وحی کی شانِ نزول گھڑ گھڑ کر اِس طرح بیان کی تھی جیسے یہ خود نزولِ وحی کے وقت وہاں موجود تھے۔

تاویل: اس لفظ کے معنی ہیں، پھیرنا ہیں، کلام کو ظاہر سے پھیرنا، تعبیر بیان کرنا۔ حاضرینِ کرام! کہنے کو تو یہ ایک لفظ ہے لیکن اُمتِ مرحومہ کی پوری تاریخ اِس میں پنہاں ہے۔ عجمی سازش کا (اسلام کے خلاف) وہ کارآمد ہتھیار ہے جس کا توڑ آج کی اینٹی ٹیکنالوجی کے پاس بھی نہیں ہے۔ یہ تاویل ہے جو دن کو رات اور رات کو دن بنا دیتی ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتی ہے۔ یہ تاویل ہے جو اسلام کے دعویداروں کے ہاتھوں ہی سے اسلام کا گلا دبانے کا کام لیتی ہے۔ یہ تاویل ہے جس نے اسلام کو مجموعۂ اضداد اور چلا ہوا کارتوس بنا کر رکھ دیا ہے۔

کہنے کو اِس مملکت اسلامیہ پاکستان میں گزشتہ گیارہ سال سے اسلام کی شریعت ہی نافذ ہے لیکن دَر حقیقت شریعت کا نہیں۔ یہاں تاویل کا نفاذ ہوا ہے۔ دِل دَہل جانے گا۔۔۔۔ حاضرینِ محترم: اگر میں یہ کہہ دوں کہ اسلام کے نام لیواؤں کی اکثریت، ہم اور آپ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

اعلانِ جنگ کر رہے ہیں۔ اور یہ جنگ شدّ و مدّ کے ساتھ شب و روز جاری ہے ۔۔۔ کیا اللہ تبارک و تعالٰی نے کھلے اور دو ٹوک لفظوں میں ارشاد نہیں فرمایا کہ سُود کا کاروبار کرنے والے لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ (2/279) مگر تاویل کی رُو سے اللہ اور رسول سے بغاوت بھی عین اسلام قرار پا گئی۔ ہم نے کبھی سوچا کہ ہم جب کسی بینک میں اکاؤنٹ کھولتے ہیں تو ہماری رقم سے بینک سُود کا کاروبار کرتا ہے۔ بینکنگ کا سارا نظام ہی سُود کی بُنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ ہمارا اکاؤنٹ کھولنا، بینک کے کاروبار میں معاونت کرنا ہے۔ سُود کے نظام کی تائید اور سُود کے نظام کو مستحکم کرنا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اُن کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔

یہ سب تاویل کی بدولت ہے کہ آج اس مملکتِ اسلامیہ کے ہر بڑے شہر میں بازارِ حُسن بھی کھلے ہیں اور انہیں باقاعدہ فیس لے کر رجسٹریشن عطا کی گئی ہے اور عصمت فروشی بھی قانوناً حلال قرار پا چکی ہے۔ یہ تاویل ہے جو غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر کرتی جاتی ہے اور جائز قرار دیتی ہے۔ جاگیرداری سرمایہ داری، ریس، سُودی کاروبار، نشہ، پرائز بانڈز، بغیر محنت کے سرمایہ کا حصول۔ اور فرقہ بندی۔ اور اسی قسم کی ہزاروں لعنتیں، شریعت آرڈیننس کی کسی نہ کسی تاویل سے آج اسلامی ہو گئی ہیں۔

یہ بھی کیا دَور ہے، لفظوں میں معانی نہ رہے!
کُفر سینوں میں ہے، ہونٹوں پہ ہے قرآن جاری

قرآن :

اور اب پانچواں لفظ کہ جو نام بھی ہے اُس کتاب حکمت کا جو آج دلوں کی بجائے طاقوں میں رکھی ہے، تعویزوں میں بھی ہے، جھاڑ پھونک کے کام آتی ہے، کالے جادو کا اُتار کرتی ہے، بلکہ خود جادو کرنے کا کام بھی انجام دیتی ہے موکلوں کو تابع کرنے میں مدد دیتی ہے اِستخاروں کے ذریعہ معلومات فراہم

کرتی ہے ، مستقبل کا حال جانتی ہے ، انسان تو انسان طوطے بھی اس سے فال نکال لیتے ہیں، مرتے ہوئے لوگوں کو سکون بخشتی ہے ، مُردوں کو بخشواتی ہے ، ۔۔۔ تصوف کی دُکان چمکاتی ہے ، مزارات کو رونق بخشتی ہے ، کروڑوں پر مشتمل مُلاؤں کا طبقہ جو کبھی کوئی کام نہیں کرتا، محنت سے نہیں کماتا اور ہمیشہ بھیک ، چندہ یا خیرات کی روٹی کھاتا ہے اُس کیلئے مفت رہائش بلکہ پلاٹوں اور جائیدادوں کا بھی انتظام کرتی ہے ۔یہی نہیں بلکہ مُلاؤں کی تین تین، چار چار بیویوں کا، غیر ملکی دوروں کا اور کثیر اولاد کی پرورش کا سامان بھی مہیا کرتی ہے ، سب سے زیادہ فتووں کا کام دیتی ہے ۔ جسے صرف پڑھنے کی اجازت ہے اور جس پر عمل جرم ہے ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا کے کسی بھی حصہ میں خواہ وہ نام نہاد اسلامی ہی کیوں نہ ہو جس نے بھی عمل کی بات کی قابلِ گردن زدنی ٹھہرا، ملحد و کافر قرار پایا۔ الحمد للہ میں اور آپ کفر کے اس فتوے اور الزام سے محفوظ ہیں۔ باعمل ہوتے تو کافر کہلاتے ۔یہاں نہ ہوتے کسی دار پر لٹکے نظر آرہے ہوتے۔ اس میں عقل کو دخل نہیں ہے ، اس میں غور و فکر ممنوع ہے ۔اِس کے ایک ایک حرف کو آپ چُوم سکتے ہیں، چاٹ سکتے ہیں گھول کر پی سکتے ہیں، کچھ نہیں سکتے ۔اس کے اندر کیا ہے ؟ یہ کیوں اور کس کیلئے نازل کی گئی ہے اِس کا جواب اِس کے اندر ڈھونڈنا جُرم ہے ۔اِس کے لئے ہمارے ہاں بہت سی مستند پابندیاں یعنی تفسیریں ہیں۔ اور ہر فرقے کی اپنی اپنی پابندی ہے اور ایک سے بڑھکر ایک ہے ۔ یہ قرآن ہے عزیزانِ محترم ۔۔۔

آج کے عنوان کا پانچواں لفظ ، بہت چھوٹا منہ ہے بہت عظیم کتاب ہے ۔ اِس کے بارے میں کیا کہوں، کیا تعارف کراؤں ۔ کوئی جرأت کروٹ بھی لیتی ہے تو بس یہ دیکھ کر کہ کتاب تو بے شک یہ خالقِ کائنات کی ہے لیکن اِس میں ذکر میرا اور آپ کا ہی ہے ۔

قرآن نے اپنا تعارف خود اس طرح کرایا ہے کہ اس میں تمہارے لئے وہ

سب کچھ ہے جسے پانے کو تمہارا جی چاہے اور جس کی تم خود آرزو کرو۔ یقیناً یہ قرآن سفرِ زندگی میں اُس راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی، ہموار اور محکم ہے قرآن کا دعویٰ ہے کہ جو قوم قوانینِ الٰہی کا اتباع کرے گی وہ خوف اور حزن سے مامون رہے گی۔

دائمی فتح و نصرت، دائمی مسرت اور دائمی ظفر مندی حاصل کرنے کیلئے بنیادی طور پر صرف چار شرائط قرآن نے پیش کی ہیں۔ کوئی دیکھے تو سہی۔ ان پر عمل کرکے، کہ اللہ اپنے دعوے میں کس قدر سچا اور پکا ہے۔

شرطِ اول:۔ پیدائش کے اعتبار سے ہر انسان، مرد ہو یا عورت، برابر کی عزت و تکریم کا حق رکھتا ہے۔

دوم:۔ رزق کے سرچشموں کا مقصد نوعِ انسان کی نشوونما ہے اس لئے: وسائلِ پیداوار تمام انسانوں کیلئے کھلے رہنے چاہئیں اور معاوضہ محنت کا ہونا چاہئیے نہ کہ سرمایہ کاری کا۔

سوم:۔ انسان کو جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی عطا کی گئی ہے جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ جس طرح جسم کی نشوونما ضروری ہے اسی طرح ذات کی نشوونما بھی ضروری ہے۔ انسانی زندگی موت کے بعد بھی جاری و ساری رہتی ہے۔ جسم کی موت کے بعد انسانی ذات لئی ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ جسم اور ذات دونوں کی نشوونما کیلئے قوانین ہیں اور قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔ ہمارے ہر عمل کا عکس اسی ذات پر پڑتا ہے۔ اسی عکس یا نقش کو لے کر ذات آگے بڑھتی ہے۔ جزا اور سزا، جنت و جہنم عذاب و ثواب، سب کا تعلق، سب کا انحصار ہمارے اعمال کے انہی نقوش پر ہوتا ہے۔ جسم فانی ہے ذات غیر فانی ہے ہمیں ذات کی نشوونما اس طرح کرنی چاہئیے کہ ہم آخرت یا آئندہ کی زندگی میں سفرِ حیات جاری رکھنے کے قابل ہو سکیں۔

چہارم:۔ جو قومیں اس کائنات کی خارجی قوتوں کو مسخر کریں گی اور انہیں

انسانیت کی فلاح و بقا کیلئے کام میں لائیں گی۔ شادمانیاں اور کامرانیاں اُنہی کا مقدر بنیں گی۔

پاژند:۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو آج کے عنوان کے چھنے لفظ "پاژند" کے باب میں بہت کچھ کہتا۔ سرزمینِ ایران پر۔ ہزاروں سال پہلے ایک بزرگ جن کا نام (ZOROASTER) تھا۔ جنہیں زرتشت" بھی کہا جاتا ہے اور جن کے زمانے کا تعین دنیا کے کسی بھی گوشے میں نہیں کیا جا سکا۔ ایک مذہبی اور فکری انقلاب کے داعی کے طور پر اُبھرے تھے۔ اُنہوں نے جو کتابِ مقدس اپنے پیروکاروں کو دی اُس کا نام "اوستا" ہے "ژند" اس "اوستا" کی تفسیر کو کہتے ہیں "ژند" کے معنی ہی تفسیر کے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جب "اوستا پیش کی گئی تو بڑا انقلاب رونما ہوا تھا اس میں انسانوں کی بہتری کیلئے کچھ ضابطے تھے، کچھ ہدائتیں تھیں۔ لیکن جناب زرتشت کے بعد اوستا کی جگہ "ژند" نے لے لی۔ جس طرح انجیل کی جگہ سینٹ پال، متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی بائیبل نے لے لی اور صدرِ اوّل کے بعد قرآن کی جگہ مجموعۂ احادیث اور انسانوں کی وضع کردہ فقہوں نے لے لی ہے۔ کیا کیا کہوں بس اتنا ہی عرض کروں گا۔

زندگی بحرِ نہ سرابوں کے ہی منظر دیکھو
دوستو! خواب کی دہلیز سے باہر دیکھو
رنگ تو رنگ ہیں، موسم بھی بدل جائیں گے
رُوحِ قرآن میں اک بار اُتر کر دیکھو

یوں بدل دیتے ہیں قرآن کا مفہوم

نفسِ مضمون

اقتباسات

○ ۔ " سیدھے سادے عرب ان کے فریب میں آگئے اور ایرانی علماء نے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے نہ صرف عربوں کی تاریخ مسخ کر ڈالی بلکہ رُوحِ قرآن کا بھی حُلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ قرآن کے الفاظ تو وہ مِٹا نہیں سکتے تھے کہ اُن کی حفاظت کا ذمّہ خود اللہ تعالٰی نے لیا ہوا تھا لیکن وہ الفاظ جو قرآنی تعلیمات کی اَساس و بُنیاد کی حیثیت رکھتے تھے اُن کا نہ صرف مفہوم، ترجمہ کرتے وقت بدل ڈالا بلکہ ان الفاظ کو بھی اپنے مذہب، مذہبی شعار اور اپنے دیوتاؤں کے ناموں سے بدل دیا۔"

○ ۔ " حیرت اور اضطراب کی انتہا نہیں رہی جب سارے قرآن میں کہیں بھی لفظ خدا نظر نہیں آیا۔ نماز کا لفظ بھی نہیں ملا۔ روزہ کا لفظ بھی دکھائی نہیں دیا۔ دُرود کا لفظ بھی نہیں تھا حتیٰ کہ مذہب کا نام بھی نہیں تھا۔ یا اللہ یہ سب الفاظ جو سِرے سے قرآن میں موجود ہی نہیں تھے، ہمارے دین ایمان کا حصّہ کیسے بن گئے؟۔"

O ۔ عربی زبان سے ناواقف جو بھی شخص قرآن کو سمجھنا چاہے گا وہ ترجموں اور تفسیروں کی مدد سے ہی سمجھے گا لہٰذا ہم نے جن ترجموں اور تفسیروں کی مدد سے لے سمجھا ان میں نہ قرآن کے اپنے الفاظ تھے اور نہ معانی نتیجہ یہ نکلا کہ ہم پڑھتے تو قرآن ہی تھے لیکن سمجھتے تھے مذاہب کی باتیں پھر وہی باتیں ہمارا دین ایمان بن جاتی تھیں اور ہم انہی کو قرآن سمجھ کر سینوں میں بسائے۔ ہونٹوں پہ سجائے اور آنکھوں پہ بٹھائے رکھتے تھے۔ اس طرح قرآن ہماری زندگیوں سے نکلتا چلا گیا اور غیر قرآنی کافرانہ رسومات و عقائد نے دینِ اسلام کی جگہ لے لی۔ حتیٰ کہ لفظ مسلم تک مسلم نہ رہا اور "مسلمان" ہو گیا اور ہمیں راس بھی آ گیا۔۔۔۔

O ۔ " جب ہم دین سے ہی دُور ہو گئے تو "رام اور رحیم" ایک سطح پر آ کھڑے ہوئے۔ دُنیا کے سارے مذاہب اور اسلام ایک جیسے لگنے لگے۔ سبھی راستے اللہ کی طرف جاتے دکھائی دینے لگے۔ سبھی بھائی بھائی بن گئے اور پھر آپ نے دیکھا کہ اسلام بھی سیکولر بن کر رہ گیا۔ یہ ہُوا کرتا ہے ایک لفظ کی تبدیلی سے پُورے کے پُورے CONCEPT کا بدل جانا۔ مکمل آئیڈیالوجی کا بدل جانا۔"

O ۔ چرچ چیخ پڑا۔ " اللہ اور GOD میں بڑا فرق ہے۔ مسلمانوں کے اللہ کا کسی سے رشتہ نہیں ہے۔ اُس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے وہ صرف اور صرف اپنے ہی قانون سے پہچانا جاتا ہے لیکن GOD عیسیٰ ابن مریم کا باپ ہے۔ وہ صرف عیسیٰ سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔"

یہ ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔ ہم میاں بیوی انگلینڈ میں رہ رہے تھے اور ہماری پانچ/چھ سالہ بیٹی عروج ایک عیسائی سکول میں دوسری کلاس میں زیرِ تعلیم تھی۔ وہاں کسی ٹیچر سے اُس نے خدا، کے بارے میں کوئی بات سنی۔ ننھا سا ذہن کچھ بے چین سا ہو گیا۔ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ سکول سے واپس آتے ہی میری گود میں آ بیٹھی۔

"ابو! خدا کون ہے۔ کہاں رہتا ہے؟"

"کیوں بیٹا خیریت تو ہے؟ نہ کچن کی طرف دوڑیں نہ کھانا کھایا، نہ کپڑے تبدیل کئے۔"

"پلیز ابو! بتائیں نا؟ خدا کون ہے کہاں رہتا ہے؟

سچ پوچھئے تو میں سٹپٹا گیا تھا۔ ساری زندگی لکھتے لکھاتے، تقریریں کرتے گزر گئی تھی، بڑے بڑے مسئلے اور پیچیدہ نکتے پل بھر میں حل کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہُوا کرتا تھا لیکن آج ننھے مُنّے سے ذہن کے ننھے مُنّے سے سوال نے لاجواب کر دیا تھا، بوکھلا دیا تھا ایسا جواب جو اُس کی شعوری سطح کے برابر ہو اور اُسے مطمئن بھی کر سکے، قطعاً نہیں سُوجھ رہا تھا۔ ذرا سا سوچنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ بات ننھے مُنّے سے ذہن کی ننھی مُنّی سی نہیں ہے بہت ہی بڑی ہے اور بہت ہی اہم بھی ہے۔۔ ابھی تذبذب ہی میں تھا کہ رواجی سا اور لاکھوں مرتبہ

کا سنا ہوا جواب ذہن میں آیا اور میں نے فخریہ طور پر بیٹی کو بتایا:۔

"خدا وہ ہے جس نے ساری دنیا بنائی، زمین بنائی، آسمان بنایا، چاند، سُورج، ستارے بنائے۔ بڑے بڑے پہاڑ بنائے۔"

"معصومیت سے سر لہرانے لگی اور حیرت سے پوچھنے لگی:

"ابو! خدا کے پاس اتنی ڈھیر ساری اینٹیں اور سیمنٹ کہاں سے آیا ہو گا۔"؟

دو منٹ پہلے جس خراٹے نے ذہن میں آنکھ کھولی تھی پھر خراٹے لینے لگا۔ میری مسز نے مشکل کو بھانپا اور عُروج کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"بیٹا خدا وہ ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے جس نے حیوان بنائے، انسان بنائے مجھے، ابو کو اور تمہیں پیدا کیا۔" عروج کے چہرے پر مزید بے اطمینانی اور بے چینی کے رنگ نمایاں ہو گئے صاف جھلکتا تھا اُس کا ذہن یہ سب قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ کہنے لگی:

"نہیں میں خدا کی بیٹی نہیں ہوں مجھے خدا نے پیدا نہیں کیا اور ابو بھی دادا اور دادی امی کے بیٹے ہیں۔ اور امی کو بھی خدا نے پیدا نہیں کیا وہ نانا ابو اور نانی امی کی بیٹی ہیں۔ پلیز بتائیے نا۔ خدا کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔۔۔؟"

میں اگر کہتا کہ خدا آسمانوں میں رہتا ہے تو کیا یہ جواب صحیح ہوتا اور اگر کہتا کہ زمین اور آسمان دونوں جگہ رہتا ہے تو کیا اُس کو مطمئن کر سکتا؟ پھر خدا کون ہے اور ہم سے اُس کا کیا تعلق ہے۔؟ اُس سے اگر کوئی رشتہ ہے تو کس قسم کا ہے؟ رشتے تو خون کے ہوتے ہیں۔ تب مجھے احساس ہوا کہ خدا کا واضح اور قرآنی تصور ننھے مُنّے ذہنوں میں ابتداء ہی سے ڈالا جانا اور انسان اور خدا کا رشتہ واضح کیا جانا کس قدر ضروری اور اہم ہے اور اگر ہم اس میں کامیاب ہو جائیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ نسلِ نو گمراہ ہو سکے یا دین ایمان اور خدا کے بارے میں کسی بھی وسوسے اور تذبذب کا شکار ہو سکے۔۔۔

کچھ کہنے سے پہلے بہت کچھ جاننا ہوتا ہے اور اگر بات بہت ہی معصوم شعور کو

سمجھانے اور مطمئن کرنے کی ہو تو مشکل اور بھی سوا ہوتی ہے --- لیکن اُس وقت میری حیرت اور اضطراب کی انتہا نہیں رہی جب میں نے قلم اُٹھانے سے پہلے قرآن کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ دیکھتا رہا دیکھتا گیا --- لیکن مجھے سارے قرآن میں کہیں بھی "خدا" نظر نہیں آیا۔ میری مُراد "لفظِ خدا" سے ہے --- ذرا آگے بڑھا تو "نماز" بھی نظر نہیں آئی --- "روزہ" بھی نظر نہیں آیا --- "دُرود" بھی دِکھائی نہیں دیا --- حتیٰ کہ "مذہب" تک کا نام نہیں ملا۔ یا اللہ یہ سب الفاظ جو سرے سے قرآن میں موجود ہی نہیں ہیں، ہمارے دین ایمان کا حصہ کیسے بن گئے ؟!! دِنوں غور کیا مہینوں تحقیق کی تو حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اُمّتِ مسلمہ زبردست سازش کا شکار ہوئی ہے۔ اسلام سے، قرآن سے مسلمانوں کو دُور رکھنے کے لئے، پھیر دینے کے لئے، بیگانہ کر دینے کے لیئے ایسی منظّم سازش کہ جس کے تصوّر سے بھی روح لرز لرز جاتی ہے ---

ہر لفظ مخصوص معانی اور پس منظر کا حامل ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک خاص اور محدود تصوّر کا پابند کرتا ہے جیسے "روٹی" کہنے سے ایک ہی تصور واضح ہوتا ہے اور اِس کے بجائے دوسرا کوئی بھی لفظ استعمال کیا جائے تو مفہوم از خود بدل کر رہ جائے گا اور روٹی ہرگز ذہن میں نہیں آئے گی --- مثلاً روٹی کے بجائے گندم سے بننے والی کسی بھی دوسری چیز کا نام لے لیجئے وہ ایک علیحدہ معنیٰ اور مفہوم تو دے گی "روٹی" نہیں ہو گی۔ نان۔ پراٹھا، کلچہ، کیک سب بطور روٹی استعمال تو ہو سکتے ہیں "روٹی" نہیں ہو سکتے اور نہ روٹی کا مفہوم ادا کر سکتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ مکرّم کے ایک ایک لفظ ایک ایک حرف کی حفاظت کا ذمہ لیا اور قیامت تک کے لئے اُس کے تحفّظ کی ضمانت دی اور سچ پوچھیئے تو یہی ایک دلیل ہے جو ثابت کرتی ہے کہ قرآن کسی انسان کی تخلیق کردہ

کتاب نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے ۔۔۔ یہ چیلنج ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود ساری دنیا کے سامنے آج بھی موجود ہے کہ:

"اگر تم کو شک ہے کہ یہ کتاب اللہ کی نہیں ہے تو اس جیسی کتاب لے آؤ۔" (17/88) "چلو دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو۔ (11/13) اچھا اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ۔۔۔" (سورہ بقرہ: 23)

اب دشمنانِ اسلام کے لئے قرآن بدلنا ممکن نہ تھا۔ لفظ بدلنے ممکن نہ تھے۔ ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ اِن لفظوں کی شکل بدل دی جائے۔ قرآن کے الفاظ کی جگہ متبادل الفاظ رکھ دیئے جائیں۔ مفہوم خود بخود بدل جائیگا اور اِس طرح ایک دن سارا قرآن بدل کر رہ جائے گا۔۔۔ اِس کے لئے طریق یہ سوچا گیا کہ قرآن کے الفاظ تو جُوں کے تُوں رہنے دیئے جائیں۔ البتہ اِن الفاظ کی تشریح تفسیر اور ترجمہ کرتے وقت وہ الفاظ نہ رکھے جائیں بلکہ ان کی جگہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کے نام رکھ دیئے جائیں۔۔۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے ایران میں "آگ" کی پُوجا کی جاتی تھی۔ اور اس مذہب کے بانی ZOROASTER تھے جنھیں زرتشت بھی کہا جاتا ہے وہ اپنے معبود کو خدا کہتے تھے اور اُن کا طریق عبادت بھی تقریباً وہی تھا جو اِس وقت ہمارے "مذہب" میں رائج ہے۔ قرآنِ کریم نے ان لوگوں کو "مجوس" کہہ کر پکارا ہے۔ (سورہ حج آیت ۱۷)

بعد میں یہی مذہب مختلف رُوپ اور شکلیں بدلتا ہوا بُدھا ازم، ہندو ازم اور موجودہ پارسی فلسفۂ مذہب میں ڈھلا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوّت کے وقت یہی مذہب ایرانی مملکت کا اور ایرانی قوم کا دین ایمان تھا اور اس مذہب کو تمام کرۂ ارض پر بڑی اہمیت حاصل تھی۔۔۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایران کی تہذیب و ثقافت عروج پر تھی اور ایران کا دبدبہ تمام دُنیا کو محیط تھا۔ ایرانیوں کے تکبّر و نخوت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے سوا کسی کو خاطر

میں نہیں لاتے تھے ، سائنس ، طب ، ریاضی ، عمرانیات ، فلسفہ ، منطق غرض زندگی کو محیط تمام علوم و فنون میں ایران کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی ۔ ہم اُس دَور کے ایران کا موازنہ آج کے امریکہ سے کر سکتے ہیں ۔ جہاں اگر صدارتی انتخاب ہو تو دنیا بھر کی قوموں اور ملکوں کے دل دَھڑکنے لگتے ہیں اور اقوامِ عالم کی سیاست متاثر ہونے لگتی ہے ۔

اتنی بڑی اور اِس قدر مضبوط و مستحکم سلطنت اور اس قدر رفیع الشان تہذیب کو جب ایک ایسی گمنام ، ادنیٰ ، جاہل ، اجڈ ، بکری اور اونٹنی کا دودھ اور کھجور کی گٹھلیوں کے سَتو ، پی کر جینے والی عرب قوم کے ہاتھوں شکستِ فاش ہو گئی اور تمام ایران ، مسلم عرب کے اقتدار میں چلا گیا تو ایرانی تملا کر رہ گئے ۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے " ایتھوپیا " یا " زمبابوے " آج امریکہ پر قبضہ کر لے ۔ تو سوچئے امریکیوں کی کیا ذہنی اور قلبی حالت ہو گی ۔؟

طاقت اور جنگ میں تو ایرانی ، مُسلموں سے شکست کھا گئے لیکن اس شکست کو اُنہوں نے دل سے تسلیم نہیں کیا ۔ ایران کے علماء اور بڑے بڑے دانشور سَر جوڑ کر بیٹھے اور انتقام کی ترکیبیں سوچنے لگے ۔ بڑی آسانی سے اُنہیں اس کا حل مل گیا ۔ مسلم انتہائی سادہ لوح ، مخلص ، دیانت دار اور بھروسا کرنے والے لوگ تھے اور دنیا کے بیشتر علوم و فنون سے قطعاً بے بہرہ تھے ۔ ایران کے علماء اور دانش وَر حضرات نے سوچی سمجھی سکیم کے مطابق خود کو ان کے سامنے پیش کر دیا اور خود مُسلم ہونے کی درخواست کی ۔ جسے فوراً قبول کر لیا گیا ۔ اس کے بعد اِن علماء نے جو اپنے ملک میں بھی چوٹی کے علماء کا درجہ رکھتے تھے ۔ عرب مسلموں کو علوم و فنون سکھانے اور قرآنِ حکیم کے ایرانی زبان میں ترجمے اور تفسیر کی ذمہ داری قبول کر لی ۔ سیدھے سادے عرب اُن کے فریب میں آ گئے اور ایرانی علماء نے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے نہ صرف عربوں کی تاریخ مسخ کر ڈالی بلکہ روحِ قرآن کا بھی حُلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ۔۔۔ قرآن کے الفاظ تو وہ بدل نہیں

سکتے تھے کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہوئی تھی لیکن الفاظ اور خاص طور پر وہ الفاظ جو قرآنی تعلیمات کی بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے، اُن کا نہ صرف مفہوم، ترجموں میں بدل ڈالا بلکہ ان الفاظ کو اپنے مذہب اور دیوتاؤں کے نام سے بھی بدل دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا تعارف اور نام اللہ کہہ کر کرایا ہے۔ لیکن ترجمہ اور تفسیر میں اللہ کی جگہ اپنے معبود کا نام "خدا"، رکھ دیا۔ اور اس کو اس کثرت سے استعمال کیا کہ اکثریت کی زبان پر اللہ کی جگہ خدا نے لے لی۔

آپ کسی بھی شخص کو اُس کے اصل نام کے بجائے دوسرے نام سے پکاریں تو اُسے آپ اچھے نہیں لگیں گے اور اگر پکارا جانے والا نام اس کے اصل نام و مقام سے کم تر درجہ کا ہو تو وہ آپ سے ناراض ہو جائے گا۔ تعلق منقطع کر لے گا کیونکہ اُسے نئے نام سے توہین کا احساس ہو گا۔۔۔۔ سوچئے۔۔۔۔! اللہ اپنا تعارف اللہ کہہ کر کراتا ہے۔۔۔ اس کا رسول اُسے اللہ پکارتا ہے۔ لیکن ہم بضد ہیں کہ ہو گا اللہ، ہم تو خدا ہی کہیں گے۔۔۔ "خدا کرے وہ آجائے خدا کرے وہ چلا جائے"، "خدا ایسا کرتا ہے خدا ویسا کرتا ہے"۔ "خدا حافظ"۔۔۔ "خدا نگہبان"، کے الفاظ آپ دن رات سنتے ہی ہیں نا؟ اور توقع یہ رکھتے ہیں کہ اللہ خوش ہوتا ہو گا۔ کیا غیر شعوری طور پر آپ اللہ سے منہ موڑ کر آتش پرستوں کے دیوتا کو خوش نہیں کرنے لگے۔ اور جب دیوتا کا نام ہی لینا فرض قرار پایا تو کسی بھی دیوتا کا نام لینے میں حرج کیا ہے۔۔۔ خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بُتوں کے ناموں میں سے کوئی بھی نام تجویز کر لیجئے لات و منات کہنے میں کیا مضائقہ ہے؟ ایشور، بھگوان، پرماتما کہنے میں کیا قباحت ہے؟

میرے برادرِ نسبتی جو مستقلاً انگلینڈ میں ہیں اور ایک بڑی پوسٹ پر ہیں۔ اُن کی بیوی مِس پٹریشیا کیتھولک مذہب کی انگریز عیسائی خاتون تھیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جب اُنہیں GOD اور اللہ کے فرق کا علم ہوا تو وہ اللہ پر ایمان

نے آمنی اور GOD سے لاتعلق ہو گئیں ---- ہُوا یہ کہ وہ میرے برادر نسبتی سے شادی کرنا چاہتی تھیں اس کے لئے اُنہوں نے چرچ سے اجازت مانگی۔ چرچ نے پوچھا کہ بچے کس مذہب پر ہوں گے یعنی اُنہیں مسلم بنایا جائے گا یا کیتھولک عیسائی؟ --- مس پریشا نے پوچھا کہ ہم بچوں کی آزادی کا سودا آج کیسے کرلیں؟ جب وہ پیدا ہوں گے اور بڑے ہونگے تو وہ خود فیصلہ کرلیں گے۔ پھر مسلم بھی تو GOD کو مانتے ہیں۔ اللہ اور GOD میں تو کوئی فرق نہیں ہے؟ چرچ چیخ پڑا "---- ہے! بہت بڑا فرق ہے۔ مسلمانوں کا اللہ بے کراں ہے۔ لامحدود ہے --- اُس کا کسی سے کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے ---- اُس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے۔ وہ صرف اپنے قانون سے جانا اور پہچانا جاتا ہے لیکن GOD انسانوں سے لاتعلق نہیں ہے۔ وہ عیسیٰ ابنِ مریم کا باپ ہے --- وہ صرف عیسیٰ سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

افسوس وہ غیر مسلم تو یہ حقیقت سمجھ چکے تھے، لیکن ہم مُسلم آج تک نہیں سمجھ سکے نہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اللہ صرف اور صرف اپنے قانون (قرآن مکرّم) سے ہی جانا اور پہچانا جا سکتا ہے --- اُس کے قانون سے غفلت، نظر انداز یا نہ سمجھنے کا مطلب "اسلام" کو نہ سمجھنا ہے۔ دین سے دُوری ہے --- اور جب ہم دین سے ہی دُور ہو گئے تو رام اور رحیم ایک سطح پر آکھڑے ہونے --- دُنیا کے سارے مذاہب اور اسلام ایک جیسے لگنے لگے --- سبھی راستے اللہ کی طرف جاتے دکھائی دینے لگے۔ سبھی بھائی بھائی بن گئے اور پھر آپ نے دیکھا کہ "اسلام" بھی سیکولر بن کر رہ گیا ---- یہ ہُوا کرتا ہے ایک لفظ کی تبدیلی سے۔ پُورے کے پُورے (Concept) یعنی تصور کا بدل جانا۔ مکمل آئیڈیالوجی کا بدل جانا ----

اللہ --- ایک ہمہ گیر "قانون" کا نام تھا یعنی اُس کے قانون پر چل کر ہی ہم اُس تک پہنچ سکتے تھے۔ اور قانون کا تعلق تو صرف سمجھنے سے ہی ہُوا کرتا ہے

---- قرآن کریم کا تعارف ہی اللہ نے یہ کہہ کر کرایا ہے کہ یہ کتابِ حکمت ہے ، کتابِ ہدایت ہے ، اِس کے اصول اٹل ہیں ۔ ضابطے اٹل ہیں ، قوانین اٹل ہیں اور قیامت تک کے لئے ہیں --- اور حکمت کو ضابطوں کو قوانین کو تو سمجھنا ہوتا ہے --- سیکھنا ہوتا ہے ---- وہ صرف پڑھنے سُننے اور حروف پر انگلی پھیرنے یا جان کنی کے عالم میں مرتے ہوئے لوگوں کو سُنانے کے لئے نہیں ہوتے ۔ کیا مضحکہ خیز بات ہے کہ دُنیا سے رُخصت ہونے والے انسان کو ہم یہ سُنا رہے ہوتے ہیں کہ وہ دنیا میں کِس طرح رہے اور کس طرح اچھی زندگی گزارے ۔ اور اِس سے بھی مضحکہ خیز صورت اُس وقت سامنے آتی ہے جب ہم مَر جانے والے لوگوں کو قرآن پڑھ پڑھ کر بخش رہے ہوتے ہیں ۔ اور یہ سُنا رہے ہوتے ہیں کہ تم اپنے دُنیاوی معاملات اِس طرح طے کیا کرو ۔ اِس کتاب کی روشنی میں اس طرح عزتیں حاصل کیا کرو ۔ اور آپس میں اس قسم کے تعلقات رکھا کرو ۔ پھر مزید ستم یہ ہے کہ ہم یہ سب کچھ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح مُردے بھی بخشے گئے اور ہم کو بھی ثواب مل گیا ---

قرآنِ کریم میں ایک لفظ تھا " صلوٰۃ " جو ایک ایسے معاشرہ اور نظام کا نام تھا کہ اگر اُسے قائم کر دیا جائے تو اللہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس صلوٰۃ سے تمام بے حیائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ ہر قسم کی فحاشی اور مُنکرات سے روک دیتی ہے --- اور یہ معاشرے کی ناہمواریوں کو دُرست کر دیتی ہے لہٰذا جہاں بھی آیا یہی آیا کہ " صلوٰۃ " قائم کرو ۔ اقم ، اقیم ، قامہ اور اس جیسے جتنے بھی لفظ ہیں وہ صلوٰۃ ، کو یعنی اس نظام کو قائم کرنے کے لئے بتکرار آئے ہیں ۔ اور اگر ایسا ہو جاتا تو آج اس کرۂ ارض کی امامت ، مُسلموں کے ہاتھ میں ہوتی لیکن دشمنانِ اسلام نے بڑی ہُنر مندی سے صلوٰۃ کا ترجمہ کرتے ہوئے اِس لفظ کا نام ہی بدل ڈالا اور اللہ کی صلوٰۃ ، اگنی دیوتا اور " خدا کی نماز " بن کر رہ گئی -- جو صرف پُوجا پاٹ تھی ۔ پڑھی جاتی تھی اور اس کا مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا --- کوئی شخص

مسجد میں نہ نماز قائم کرنے جاتا ہے اور نہ قائم کر کے آ رہا ہوتا ہے --- سب نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ نماز پڑھ کے ہی آ رہے ہوتے ہیں۔ پھر صلوٰۃ کے تصور سے ہٹانے اور اگنی دیوتا "خدا" کی نماز پر لگانے پر اس قدر زور دیا گیا کہ نماز ہی ذریعۂ نجات ٹھہری --- کلیدِ جنت قرار پائی۔ مسلم اور کافر کے درمیان "فرق جانی گئی۔ اس کا انکار کرنے والا تو ایک طرف جان بوجھ کر صرف ایک نماز ترک کر دینے والا کافر ٹھہرا اور مرتد کہلایا۔ اس سے بھی آگے چلئے تو یوں بھی ہوا کہ کسی نے توجہ دلائی کہ بھائی "نماز" کی نہیں "صلوٰۃ" کی ضرورت ہے تو اُسے قتل کر دیا گیا اور یہ بات ذہنوں میں نقش کر دی گئی کہ صلوٰۃ ہی نماز ہے اور نماز ہی صلوٰۃ ہے۔ یہاں واضح کر دوں کہ میں صلوٰۃ کا انکار نہیں کر رہا موجودہ تصورِ صلوٰۃ کا انکار کر رہا ہوں جسے نماز سے بدل دیا گیا ہے۔ اذان میں بُلاتے ہم صلوٰۃ کی طرف ہیں پڑھا دیتے ہیں نماز---

"روزہ" بھی قطعاً غیر قرآنی لفظ تھا اپنا بالکل جداگانہ تصور و مفہوم رکھتا تھا۔ ہم نے قرآن کے تصورِ "صوم" سے بدل ڈالا "روزہ"۔ فاقہ (FAST) ہوتا ہے جبکہ "صوم"۔ تزکیۂ نفس کے لئے ہوا کرتا ہے۔ تربیتِ ذات کے لئے ہوتا ہے اور یہی عمل قرآن کے دیگر الفاظ و احکامات کا ہوا۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب ہوا کیسے ؟ بہت آسان بات ہے چونکہ قرآن ساری دنیا کے انسانوں بلکہ آنے والی نسلوں تک کے لئے ہے اور دنیا کے تمام انسان تو عربی نہیں جانتے۔ سو جو کوئی بھی اسے سمجھنا چاہے گا وہ ترجموں اور تفسیروں کی ہی مدد سے سمجھے گا۔ لہٰذا ہم نے جن ترجموں کی مدد سے اسے سمجھا اُن میں نہ قرآن کے اپنے الفاظ تھے اور نہ معنی۔ نتیجتاً پڑھتے ہم قرآن ہی تھے لیکن سمجھتے تھے مذاہب کی باتیں۔ پھر وہی باتیں ہمارا دین ایمان بن جاتی تھیں۔ اور ہم انہی کو قرآن سمجھ کر سینوں میں بسائے۔ ہونٹوں پہ سجائے اور آنکھوں پہ بٹھائے رکھتے تھے۔

یاد رکھئے! مذہب اور دین میں دن اور رات کا فرق ہوتا ہے۔ مذہب

انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور دین اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہوتا ہے اور مکمل ضابطۂ حیات ہوتا ہے۔ ہر مذہب میں اللہ کا تصور بھی الگ الگ ہوتا ہے، پُوجا پاٹ کے طریقے بھی جُدا ہوتے ہیں اور مذہب صرف اور صرف انسان اور خدا کے درمیان ذاتی معاملہ یا تعلق کا نام ہُوا کرتا ہے۔ اس کا تعلق دنیا کے دوسرے افراد، گروہ یا انسانوں سے نہیں ہوتا۔ اس میں جنت بھی صرف اپنوں ہی کو ملا کرتی ہے اور باقی ساری دنیا جہنم میں جایا کرتی ہے۔ لیکن دین ساری دنیا کے انسانوں کے لئے آتا ہے اور یہ دعوے لے کر آتا ہے کہ جو لوگ اور جو قومیں بھی اُس کے قوانین پر چلیں گی اُن کے لئے دنیا تو دنیا آخرت میں بھی سرفرازیاں اور شادابیاں ہونگی۔ اس کا نام اسلام ہے۔ اور اسلام تو آیا ہی "مذہب" کے مُروّجہ طور طریقوں کو مٹانے کے لئے تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس نفسیاتی طریقے سے سازشیوں نے غیر قرآنی الفاظ سے قرآن و اسلام کی گاڑی کو پٹڑی سے اتار دیا تھا اسی نفسیاتی طریقے سے ہم قرآنی الفاظ کو اپنا معمول بنا لیں تو یہ گاڑی پھر سے اصل ٹریک پر واپس آجائے گی۔ البتہ اس میں جانِ ناتواں کو دُکھ بہت جھیلنے پڑیں گے۔

اقبالؒ کافر کیوں کہلایا؟

نفسِ مضمون

اقتباسات

زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے امام جعد بن درہم کو بادشاہ (خلیفہ) نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور مفتیٔ اعظم کے فتوے کی روشنی میں اُن کا گوشت جانوروں میں تقسیم کرا دیا۔"

5۔ "کوئی فرعون اُس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک قارون اور ہامان اُس کے ساتھ نہ ہوں۔ قارون سرمایہ داری کی علامت اور ہامان مذہبی پیشوائیت ہی کے نام ہوتے ہیں۔"

٥ ۔ " صدرِ اوّل کے ابتدائی دَور کے بعد بھی بے شمار ایسے لوگ تھے جنھوں نے نہ صرف قرآن کو سمجھا بلکہ وہ اسے لے کر آگے بھی چلے لیکن ان سب کے ساتھ اسلام کے ٹھیکیداروں نے بڑا ہولناک سلوک کیا۔ کسی کو سُولی پر لٹکایا کسی کی گردن ماری۔ کسی کو اپنے ہاتھ سے ذبح ۔ کسی کو زہر دے کر مارا کسی کی زبان کاٹی۔ کسی کا سر قلم کیا۔ کسی کو جیل میں تڑپایا۔ کسی کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے مروایا اور وہی سب لوگ کافر ٹھہرائے گئے جو کفر کو مٹانے کا عزم لے کر گھر سے نکلے تھے۔"

٥ ۔ " قرآن کی طرف کوئی آنا چاہے تو سب سے اہم سوال ذہن میں یہی ابھرتا ہے کہ ہم اعمال کس طرح ٹھیک کریں؟ کس بات سے نئی قرآنی زندگی کا آغاز کریں؟ کس طرح باطل سے حق کی طرف آئیں۔"

٥ ۔ صرف یہی باتیں سمجھ میں آجائیں تو سارا اسلام اور سارا فلسفۂ اسلام سمجھ میں آجائے کہ سرمایہ داری کیا ہوتی ہے۔؟ ملوکیت کسے کہتے ہیں؟، تصوف کیا کرتا ہے؟ اور مذہبی پیشوائیت کس طرح اللہ کے راستے میں روک بن کر کھڑی ہو جاتی ہے؟۔"

بغداد کے گلی کوچوں میں ایک دیوانہ چلّا رہا تھا۔

"لوگو جو چیز میرے پاس ہے خدا کے پاس بھی نہیں ہے۔ جو میں کر سکتا ہوں خدا بھی نہیں کر سکتا۔ جو میں جانتا ہوں، خدا بھی نہیں جانتا۔"

لوگ یہ سُنتے تو مشتعل ہو جاتے۔ اُسے ڈانٹتے مارتے لیکن دیوانے پر کوئی اثر نہ ہوتا زیادہ زور سے چلّانے لگتا۔ وہ دیوانہ صبح سے شام تک اور کبھی کبھی رات کے سناٹوں میں گلی بازاروں میں یہی نعرے لگاتا رہتا۔ سناٹے میں اُس کی آواز اور بھی نمایاں سُنائی دیتی اور زیادہ دُور تک سُنی جاتی۔ یہ تقریباً روز کا معمول تھا اور شہر بھر میں گھر گھر یہی موضوع بنا ہُوا تھا۔ لوگ اِن نعروں سے خوف زدہ تھے اور دیوانے کو بڑی بے دردی سے مارتے تھے۔ لیکن دیوانے کے جوش اور جذبے میں ذرا کمی نہ آتی تھی۔ وہ نڈھال ہو جاتا تھا زخموں سے چُور ہو جاتا تھا بار بار بے ہوش ہو جاتا تھا مگر ہوش آتے ہی چلّانے لگتا تھا "لوگو جو میرے پاس ہے خدا کے پاس بھی نہیں ہے جو میں کر سکتا ہوں خدا بھی نہیں کر سکتا، جو میں جانتا ہوں خدا بھی نہیں جانتا۔"

---------- o ----------

بات گلی بازاروں سے نکلی تو محلوں تک جا گونجی۔ عُلمائے دربار نے مُتفق طور پر والئ عراق کی خدمت میں انتہائی سراسیمگی کے عالم میں عرض داشت پیش کی

کہ اس دیوانے کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کی جائے ورنہ اس کا کُفر و الحاد، مسلمانوں کو خدا اور رسولوں کے بارے میں بھی شک و شبہ میں ڈال دے گا اور ہم سب کے ایمان کو غارت کر دے گا۔

---o---

زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیوانہ اس طرح دربار میں پیش کیا گیا کہ سارا جسم پتھروں کی بارش سے داغ داغ تھا۔ سر سے لہو رواں تھا۔ کپڑے خون آلود تھے۔ وزنی زنجیروں اور اذیّت ناک بیڑیوں سے ایک ایک قدم ایک ایک من کا ہو گیا تھا۔ مگر دیوانہ پُر سکون تھا۔ آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو کامل عزم اور اطمینان ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ دربار میں داخل ہوتے ہی دیوانے نے وہی صدا لگائی جو تقریباً ایک ماہ سے بغداد کے بازاروں میں لگا رہا تھا۔ نہ دربار کا احترام نہ بادشاہ کا لحاظ اس پر "کفر" کا برسرِ دربار اعلان۔ "جوشِ غضب سے والیٔ عراق اُچھل کر کھڑا ہو گیا ساتھ ہی تمام اہلِ دربار بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر شخص دہل گیا۔ کانپ اٹھا لیکن دیوانہ پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔

حاکمِ وقت نے انتہائی حقارت اور غیظ و غضب سے پوچھا "کیا تجھے علم ہے کہ تُو کیا بک رہا ہے؟" دیوانے نے کہا "علم بھی ہے اور یقین بھی کہ جو کہہ رہا ہوں وہی سچ ہے۔"

مفتیٔ اعظم نے مداخلت کی۔

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ تو دیوانہ نہیں ہے بلکہ جو کچھ بکتا ہے سوچ سمجھ کر بکتا ہے۔؟" دیوانے نے ہونٹوں پر سے خون صاف کرتے ہوئے جواب دیا

"لاریب۔ یقیناً"

مفتیٔ اعظم نے اُسی وقت قتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔ جلّاد نے تلوار سونت لی اور حاکمِ وقت کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔ حاکمِ وقت نے دیوانے کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچا پھر پوچھا۔ وہ اپنے قتل سے پہلے کیا تو لیٹی اِس بکواس کی وضاحت پسند کرے گا؟ دیوانے نے کہا
وہ حقیقت تو سورج کی طرح روشن ہوتی ہے۔ اُسے چھپایا ہی نہیں جا سکتا اور اُسے چھپانا بھی نہیں چاہیئے۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ جو میرے پاس ہے وہ خدا کے پاس بھی نہیں ہے تو غلط نہیں کہتا۔
میرے پاس اَولاد ہے اور خدا کی کوئی اَولاد نہیں ہے۔ نہ اُس کو کسی نے جنا ہے
اور نہ اُس نے کسی کو جنا ہے۔
اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ جو میں کر سکتا ہوں وہ خدا بھی نہیں کر سکتا تو یہ بھی سچ ہے کیونکہ کائنات کی تمام مخلوق میں صرف انسان کو ہی صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے۔ میں غلط اور صحیح دونوں رَوشیں اختیار کر سکتا ہوں جبکہ خدا غلط رَوِش اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ سو میری دوسری بات کا مطلب یہ ہے کہ
۔ میں جب چاہوں شادی بھی کر سکتا ہوں اور خدا شادی نہیں کر سکتا۔
اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ جو میں جانتا ہوں وہ خدا بھی نہیں جانتا تو یہ بھی درست ہے۔
میں جھوٹ بولنا جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ خدا کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

---------- o ----------

حاکم کی تیوری کے بَل کُھل گئے وہ تخت پر دوبارہ بیٹھ گیا۔
لیکن علمائے دربار تلملا اٹھے اُنہوں نے حاکم کی توجہ اِس طرف دلائی کہ اِس شخص نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ کہہ کر دوسرا کفر کیا ہے۔ ارادے اور اختیار کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے انسان مجبورِ محض ہے۔ انسان وہی کرتا

ہے جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔
حاکم کی کیفیت جو تھوڑی دیر پہلے نارمل ہونے لگی تھی پھر بدل گئی اس نے کہا

"اے جاہل اور مردود انسان اس کفر کے بکنے سے آخر تیرا منشا کیا ہے
۔۔؟!"

دیوانے نے کہا "اے حاکم میں صرف تجھ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا
تاکہ براہ راست تجھ سے پوچھ سکوں کہ واقعی تو مسلمان ہے؟ اور اللہ اور اُس کی وحی
(قرآن) پر ایمان رکھتا ہے؟"
حاکم غرایا "ملعون تجھے اس سوال کی جرأت کیسے ہوئی؟ یہ گستاخانہ خیال تجھے
آیا کیسے؟!"
دیوانے کے لہجے میں زیادہ متانت پیدا ہو گئی۔

"اس لئے کہ اگر تو لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لایا ہوتا تو انسان ہو کر دوسرے انسانوں
پر حکومت نہ کر رہا ہوتا کہ اس کلمہ کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ اقتدار اور حکمرانی
صرف اللہ کے لئے ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ مسلم
ہونے کے دعوے کے ساتھ تو اللہ کا شریک کس طرح بن بیٹھا؟
مفتیٔ اعظم نے پھر مداخلت کی۔
"گستاخ تو اپنے آپ کو مسلمان کس طرح کہتا ہے تو تو قرآن کو بھی مخلوق کا درجہ
دیتا ہے۔ اور جس طرح مخلوق فانی ہے اُسی طرح قرآن کو بھی فانی سمجھتا ہے۔؟"
دیوانہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا
"بے شک قرآن بھی مخلوق ہے اور فانی ہے۔ ابدی اور دائمی تو قرآن کے الفاظ
ہیں۔ جو قیامت تک باقی رہیں گے لیکن جس طرح دیگر آسمانی کتابیں فنا ہو گئیں نا
پید ہو گئیں اس طرح قرآن جن کاغذوں پر لکھا گیا ہے وہ کاغذ بھی فنا ہو سکتے ہیں"

---------- ○ ----------

گراں بار زنجیروں میں جکڑا ہوا یہ دیوانہ اپنے وقت کے امام جعد بن درہم تھے جو والئی عراق خالد بن عبداللہ کے دربار میں کھڑے اُس کے فیصلے کے اعلان اور حکم سے قطعاً بے نیاز کھڑے تھے۔ دوسری صدی ہجری تھی۔ اگلے دن عیدالاضحیٰ تھی اور ساری قوم عید کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ خالد بن عبداللہ نے جلّاد کو حکم دیا کہ وہ اپنی تلوار واپس میان میں ڈال لے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا اور کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔۔۔۔

---------- o ----------

اگلی صبح سُنّتِ ابراہیمی کے اتباع میں جبکہ ساری اُمّتِ مسلمہ جانوروں کی قربانی دے رہی تھی۔۔ خالد بن عبداللہ نے اللہ کے حضور میں اس طرح قربانی پیش کی کہ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے امام جعد بن درہم کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور مفتی اعظم کے فتوے کی روشنی میں اُن کا گوشت جانوروں میں تقسیم کرا دیا گیا۔۔۔۔۔۔۔

---- o ----

بے تکلّف احباب کا مجمع تھا۔ موسیقی، چٹکلے اور لطیفوں میں سیالکوٹ کا رہنے والا ایک نوجوان شخص اقبال بھی شامل تھا۔ ذکر سچ بولنے اور حق بات کہنے کا چھڑ گیا۔ کسی نے امام جعد بن درہم کا یہ واقعہ سُنایا۔ لوگ مختلف جذبات سے دو چار ہوئے پھر جس طرح ہر حقیقت آئی گئی ہو جاتی ہے یہ بات بھی آئی گئی ہو گئی لیکن اقبال نامی اس نوجوان کے دل میں اس طرح کھبی کہ ترازو ہو گئی کیا واقعی کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کا حق حاصل نہیں ہے۔ تو پھر یہ بادشاہتیں، حکومتیں، حکمرانیاں، ڈکٹیٹرشپ، آمریت پارلیمانی نظامِ جمہوریت یہ سب کیا ہے؟ یہ بھی تو کسی نہ کسی اعتبار سے دوسروں پر حکومت ہی کے طریقے ہیں؟

اس نوجوان کی نیندیں اڑ گئیں وہ ایک ایک سے اپنے سوالوں کے جواب پوچھتا۔ مزاروں پر جاتا مجاوروں سے کشف و کرامت کے حامل بزرگوں کے اقوال سنتا۔ ولیوں کی نثر اور شاعری کھنگالتا۔ مختلف فرقوں کے علماء سے خط و کتابت کرتا مگر الفاظ کے انبار تو ملتے۔ کچھ جواب کہیں سے نہ ملتا۔ پھر ایک دن از خود اُسے خیال آیا کہ ایک کتاب ایسی بھی ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کے مسائل کا حل پیش کرنے کا دعویٰ کرتی ہے اور موجودہ دنیا کی ہی نہیں قیامت تک کے لئے آنے والی نسلوں کی بات کرتی ہے۔ تب اس نوجوان اقبال نے قرآن حکیم کو مروجہ تفسیروں ترجموں اور نظریوں سے بلند ہو کر سیرتِ رسولِ اکرم (صلعم) کی روشنی میں اپنی عقلِ سلیم سے سمجھ کر پڑھنے کا طریق ڈھونڈا۔ جوں جوں وہ اسے سمجھتا گیا اُس کی سوچوں میں اُس کی رُوح میں اُس کی زندگی میں انقلاب آتا گیا۔ قدم قدم پر وہ چونکتا۔ رکتا۔ سوچتا پھر تڑپ اٹھتا۔ قدم قدم پر اُسے محسوس ہوتا کہ وہ اسلام جو قرآن حکیم پیش کرتا ہے، سرے سے وہ اسلام ہے ہی نہیں جو ہماری زندگی میں رچا بسا ہے۔

سوچیں بدلیں تو شاعری کے موضوع بھی بدل گئے، لہجہ بھی بدل گیا۔ اب اُس نے تاریخ پر نظر ڈالی کہ تقریباً اس ڈیڑھ ہزار سال کے عرصے میں کیا کوئی اور بھی ایسا گزرا ہے جس نے حقیقی اسلام کو سمجھا ہے تو صدرِ اول کے ابتدائی دور کے بعد بھی بے شمار انفرادی زندگیاں نظر آئیں جنہوں نے نہ صرف قرآن کو سمجھا بلکہ وہ اسے لے کر آگے بھی چلے۔ لیکن یہ دردناک پہلو بھی اقبال کے سامنے آیا کہ ان سب کے ساتھ مروجہ اسلام کے ٹھیکیداروں نے ہولناک سلوک کیا۔ کسی کو سُولی پر لٹکایا، کسی کی گردن ماری۔ کسی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، کسی کو زہر دیکر مارا، کسی کی زبان کاٹی، کسی کا سر قلم کر دیا۔ کسی کو جیل میں ساری عمر تڑپایا۔ کسی کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے دیا اور وہی سب لوگ کافر ٹھہرائے گئے جو کفر کو مٹانے گھر سے نکلے تھے۔۔۔

یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا تھا۔ قرآن کے مطابق مسلم ہونے کا دعویٰ کرنا بڑا ہی جُہد آزما مرحلہ تھا۔ مگر اندر کا انسان مسلم ہو چکا تھا اور جب اندر کا انسان مسلم ہو جائے تو پھر آتشِ نمرود میں بھی بے خطر کود پڑتا ہے۔ اقبال نے عمل کا آغاز اِس سوچ سے کیا کہ پہلے خود مسلموں کو یہ جتایا جائے کہ اللہ کا عطا کردہ اصل اسلام کیا ہے اور اُس تک پہنچنے میں اصل رکاوٹ کیا رہی ہے؟۔ رُکاوٹ کا اصل سبب بھی اقبال کو خود قرآنِ حکیم سے مل گیا۔ اقبال نے اعلان کیا۔

چار مرگ اندر پئے ایں دیر سمہ
سُود خوار و والی و مُلّا و پیر

یعنی چار موتیں ہیں۔ کفر کے چار اندھیرے ہیں جو مسلسل ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ سرمایہ داری (نظامِ سُود) ملوکیت۔ تصوّف اور مذہبی پیشوائیت۔ اردو میں بھی اقبال نے اِسی طرح کی بات کی

باقی نہ رہی تیری، وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

سرسری نظر سے بھی دیکھیں تو پوری انسانیت اِنہی چار لفظوں میں جکڑی چلی آ رہی ہے لیکن جونہی اقبال نے اِن کے بارے میں لب کشائی کی، کافر قرار پا گیا۔ مُرتد اور قابلِ گردن زدنی ٹھہرا مگر اقبال نے ہنستے ہوئے یہ تہمت برداشت کر لی اور روتے ہوئے اُمتِ مرحومہ کی تاریخ اِنہی چار لفظوں میں بیان کرنی شروع کر دی۔ گلی گلی کوچے کوچے حتیٰ کہ آخری سانس تک۔ یہی "کفر" کہتے اور پھیلاتے پھیلاتے مَر گئے۔ آج بھی اگر یہ چار چیزیں سمجھ میں آجائیں تو ساری تاریخ روشن ہو جائے۔ سارا اسلام اور فلسفۂ اسلام سمجھ میں آجائے اور ساری حقیقتیں بے نقاب ہو کر اور اُبھر کر سامنے آجائیں کہ سرمایہ داری کیا ہے اور کیا کرتی ہے؟ ملوکیت کسے کہتے ہیں؟ تصوّف کیا کرتا ہے اور کیا ہوتا ہے؟ اور مذہبی پیشوائیت

اللہ کے راستے میں روک بن کر کس طرح کھڑی ہو جاتی ہے ؟

---------- O ----------

یوں تو ہر موضوع تفصیل طلب ہے لیکن جب قرآن نے کہا تَتَفَکَّرُوا۔ ثُمَّ تَتَفَکَّرُوا سوچا کرو۔ یونہی حالات، وقت اور رسم و رواج کے دھاروں میں مت بہے چلے جاؤ۔ رُک جاؤ۔ سوچو کہ تم اپنی قبر آپ تو نہیں کھود رہے ؟ جو کچھ کر رہے ہو وہ مناسب ہے بھی یا نہیں ؟ یا تمہارے پاس بھی وہی دلیل ہے کہ جو کچھ بڑے کرتے چلے آئے تھے ہم بھی وہی کر رہے ہیں ---- ؟ ! قرآن نے کہا اے رسول ان سے کہہ دو کہ جو مَر گئے ان کے بارے میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہیں جائے گا تم صرف اور صرف اپنے ہی اعمال کے لئے جواب دہ ہو۔ (2/134 . 2/141) تو سب سے اہم اور سب سے پہلا سوال ذہن میں بھی اُبھرتا ہے کہ ہم اعمال کس طرح ٹھیک کریں۔ کہاں سے آغاز کریں۔ کس طرح آئیں باطل سے حقیقت کی طرف ؟ دیکھئے کہ ان سوالوں اور سوچوں کا جواب بھی اقبال کی فرمودہ اِنہی چار باتوں میں پوشیدہ ہے جو اس کرۂ ارض پر سارے فساد کی جڑ ہیں۔

(۱) سرمایہ داری:

سرمایہ داری، سُود کے نظام سے جنم لیتی ہے اسی سے پروان چڑھتی پھولتی پھلتی ہے۔ یعنی نفع۔ محنت کی بجائے سرمایہ کا ہوتا ہے۔ آپ ایک سو روپے کا نوٹ بند کر کے رکھ دیجئے۔ سو سال بعد بھی وہ ایک سو روپے ہی کا نوٹ ہو گا۔ اُس میں ایک پیسہ کا بھی اضافہ نہیں ہو گا لیکن اگر آپ اپنی رقم سُودی کاروبار میں لگا دیں گے یا بنک میں رکھ دیں گے کہ بینکنگ کا سارا نظام ہی سُود پر اُستوار ہوتا ہے۔ یا سلیپنگ پارٹنر شپ اختیار کر لیں گے کہ سرمایہ آپ کا، محنت دوسرے کی یا جائیدادیں بنا کر کرایہ پر چڑھا دیں گے یا کاشت کے لئے اپنی زمین کسی کو دیدیں گے کہ محنت وہ کرے اور فصل تیار ہو جائے تو آدھی آپ کو

دیدے یا کسی بھی ایسے کاروبار میں روپیہ لگا دیں گے جس میں آپ کی اپنی محنت شامل نہ ہو تو نفع سرمایہ کا کہلائے گا۔ محنت کا نہیں ہو گا اس سے ہو گا یہ کہ انسانوں میں تفریق پیدا ہو جائے گی۔ ایک کمانے والا طبقہ بن جائیگا دوسرا کھانے والا اور ڈنڈنانے والا۔ کمانے والا محنت کر کے بھی محدود فائدہ حاصل کریگا لیکن دوسرا کھانے والا اور ڈنڈنانے والا طبقہ محنت نہ کرنے کے باوجود دوسروں کی investment سے دولت کے انبار لگا جائیگا اور سارے معاشرہ کا توازن بگاڑ کر رکھ دے گا۔ دوسروں کی صلاحیتوں اور توانائیوں پر اس کی گرفت مضبوط تر ہوتی جائے گی اور اِس طرح انسانوں کی ایک بڑی اکثریت کو وہ اپنا غلام بنالے گا۔

قرآن چونکہ ہر قسم کی غلامی کو مٹانے آیا ہے لہذا سرمایہ داری اور اِس نظام یا اِس سوچ کی جڑیں یہ کہہ کر کاٹ دیتا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی 53/39 یعنی انسان کے لئے معاوضہ صرف محنت کا ہے۔ سرمایہ کا نہیں۔ سرمایہ کا معاوضہ ربٰوی ہے یعنی سُود ہے جو حرام ہے۔ قرآن نے اتنا ہی نہیں کہا کہ یہ حرام ہے۔ کہا یہ ہے کہ جو یہ کاروبار کرتے ہیں اور جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اس میں شریک ہوتے ہیں وہ اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ (2/279)

سوچئے بات کہاں تک جا پہنچتی ہے۔ ہم میں سے تقریباً ہر شخص کا واسطہ کسی نہ کسی اعتبار سے بنک سے پڑتا ہے۔ اکثریت بنکوں میں اکاؤنٹ بھی کھولتی ہے اندرون اور بیرون ملک تقریباً سارا کاروبار بنکوں کے ذریعہ ہی انجام پاتا ہے۔ اس سے ہوتا کیا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ بنکنگ کی بنیاد ہی سُود پر اُستوار ہے اور سُود کے بارے میں واضح حکم موجود ہے کہ نہ صرف یہ حرام ہے بلکہ اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے تو کیا ہم بالواسطہ یا بلا واسطہ اُن لوگوں کے ہاتھ مضبوط نہیں کرتے؟ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف میدانِ جنگ میں اُتر آئے ہیں اور اِس اعتبار سے خود اللہ کے دشمنوں میں شمار

نہیں ہو جاتے۔؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر ہم برے سے مسلم ہی نہیں رہتے۔ پھر اللہ سے رحم و کرم کی امیدیں کیسی؟ یاد رکھئے قرآن ہر شخص کو با عمل اور انسانیت کی فلاح و بقاء کے لئے معروف جد دیکھنا چاہتا ہے وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی تو محنت کر کے کھائے اور کوئی دوسروں کی محنت اپنے گھر اٹھا کر لے جائے اور دولت مند کہلائے جس طرح ہمارے ملک میں بیس کروڑ کی آبادی میں بارہ خاندان دولت مند تھے۔ پھر بائیس ہوئے۔ ملک آدھا رہ گیا لیکن دولتمند خاندانوں کی تعداد دوگنی ہو گئی اب دس کروڑ کی آبادی کی تقدیر کے مالک چوالیس خاندان ہیں۔ پھر دوہرا دوں دس کروڑ کی قسمتوں کے مالک صرف چوالیس خاندان۔ یہ کیسے ہوا؟ صرف سُود اور دوسروں کی کمائی ہڑپ کرنے کی وجہ سے۔ آج حکومت کی پالیسی اور خود حکومتیں ان چوالیس کی مرضی کے تابع ہوتی ہیں۔ سیلاب آتے ہیں تو ان کی جائیدادیں۔ کارخانے اور مفادات بچانے کی غرض سے بند توڑ کر طوفانوں کا رُخ محنت کشوں کی بستی کی طرف کر دیا جاتا ہے اور سینکڑوں ہزاروں جانوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا جاتا ہے لیکن کسی ایک سرمایہ دار کا کبھی بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔

(۲) ملوکیت:

ملوکیت کی بنیاد استبداد، ظلم، جبر اور انسانیت کُشی پر ہوتی ہے ایک انسان یا انسانوں کا ایک گروہ باقی تمام انسانوں پر حکومت کرتا ہے اور اپنی اطاعت کراتا ہے۔ اور کروڑوں انسان ذہنی غلامی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ قرآن نے اسے شرک قرار دیا ہے۔ اطاعت اور بندگی صرف اور صرف اللہ کے قانون ہی کی جا سکتی ہے۔ اور جو کوئی کہتا ہے کہ میری یا میرے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت کرو تو وہ اللہ کی برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ جب بھی الیکشن ہوتے ہیں تو کوئی بھی جماعت یا امیدوار اللہ کے قانون کی حکمرانی کی بات نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے قوانین کی بات کرتا ہے۔ ہم ایسا قانون بنائیں گے ہم ویسا قانون بنائیں گے۔ سوچئے جب

آپ کے سامنے واضح حکم موجود ہے لا الٰہ اِلّا اللہ ۔ حکومت و اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے اور دوسرا کوئی ہے ہی نہیں جس کی اطاعت کی جائے تو پھر کیا آپ کا ووٹ اللہ کے مقابلے میں انسانوں کے قوانین کی اطاعت کا وعدہ نہیں کہلاتا!؟؟

(۳) مُلّا یا مذہبی پیشوائیت :

مُلّا دراصل مذہبی پیشوائیت کا ہی نمائندہ ہوتا ہے ۔ یہ مذہبی پیشوائیت کرتی کیا ہے ؟ یہ سرمایہ داری اور ملوکیت کی جڑوں کو کھاد اور پانی کا کام دیتی ہے یہ لعنتیں اس کے سہارے کے بغیر پنپ ہی نہیں سکتیں ۔ یہ انسانی جذبات کو اس طرح ایکسپلائٹ کرتی ہے کہ اندر کا انسان مر جاتا ہے یا گہری نیند سو جاتا ہے ۔ عقل کو اس طرح ساؤنڈ پروف کر دیتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں اپنی عقل پر تالے ڈال دیتا ہے اور بے چون و چرا ملوکیت کی مشینری کا پُرزہ بن کر رہ جاتا ہے ۔

کوئی فرعون اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک قارون اور ہامان اس کے ساتھ نہ ہوں ۔ قارون سرمایہ داری کی علامت اور ہامان مذہبی پیشوائیت کے ہی علامتی نام ہیں ـــــ

"ہر شخص جو ذرا غور و فکر سے کام لے بآسانی محسوس کر لیتا ہے کہ مُلوکیت سرمایہ داری اور زمینداری یکسر غیر فطری نظام زندگی ہیں لیکن جب مُلّا اسے جتاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق ہیں اور ان سے انکار کرنے والا اللہ کا سرکش، باغی اور رسالت مآب کا مُنکر تو وہ بے چارہ خاموش ہو جاتا ہے اس کے بعد مُلّا آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے "شریعت میں عقل" کا کوئی دخل نہیں اگر کسی کے دل میں اللہ اور رسول کا حکم سننے کے بعد ذرا سا بھی شک و شبہ پیدا ہو جائے تو وہ سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے ۔ اس پر بے چارہ سادہ لوح مسلمان کانپ اُٹھتا ہے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو جھوٹا اطمینان دے لیتا ہے کہ دین کی مصلحتیں اللہ اور اس کا رسول ہی جان سکتے ہیں ہمارا کام تو ایمان لانا ہے

اور بس۔ حالانکہ جس چیز کو مُلاّ اللہ اور رسول کا حکم بتا کر پیش کرتا ہے وہ اِسی نظامِ سرمایہ داری کے وضع کردہ قوانین ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اِن علمبردارانِ مذہب و شریعت کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ اقبال نے بھی بڑی ہی شدّ و مد کے ساتھ اِن کے خلاف جہاد کیا ہے۔

مکتب و مُلاّ و اسرارِ کتاب۔ کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد۔ دینِ مُلاّ۔ فی سبیل اللہ فساد

مکتب و مُلاّ اور قرآن کے رموز و اسرار، ان کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک پیدائشی اندھے کے سامنے سُورج کی روشنی۔ دنیا کی غیر مسلم قومیں اپنی ترقی اور استحکام کے لئے معروفِ جہاد رہتی ہیں لیکن مُلاّ خدا واسطے فساد برپا کرنے میں معروف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور انسان انسانیت سے گرتا چلا جاتا ہے۔" (از پمفلٹ اے کشتۂ سلطانی مصنف غلام احمد پرویز)

اور یہ تو آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ نے فرقہ سازی اور فرقوں کو بدترین شرک سے تعبیر کیا ہے۔ اسلام کے صدرِ اول میں نہ کوئی فرقہ تھا اور نہ کوئی فقہ رائج تھی اللہ کی وحی پر جو ایمان لاتا تھا وہ نہ سنّی ہوتا تھا نہ شیعہ، صرف مُسلم کہلاتا تھا، مسلم ہوتا تھا اور فقہوں کی جگہ صرف اللہ کے قانون کی حکومت ہوتی تھی۔ اسے کسی گستاخی پر محمول نہ فرمائیے یہ جس قدر فقہے ہیں یہ سب کے سب کسی نہ کسی امام یعنی انسان ہی کے وضع کردہ قوانین ہیں جنھوں نے ہزار سال سے قرآن کی جگہ لی ہوئی ہے اور ہم سب جن کی اطاعت کرتے چلے آ رہے ہیں اور پھر بھی مسلم ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

(۴) اور اب آخری لفظ ہے۔ پیری یعنی تصوّف۔

یہ تصوف انسان کی عملی قوتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔ کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرنا تو ایک طرف روزمرہ کے معمولی سے معمولی کام کے بھی قابل نہیں

رہنے دیتا۔ بلا محنت و مشقت کے دولت مند بناتا ہے۔ نالی میں سے کیچڑ نکال کر مُنہ میں ڈالنے والا مجذوب دوسروں کو بادشاہت بخش رہا ہوتا ہے۔ جتنے جاہل اور نفسیاتی مریض ہیں اُنہیں عالموں، پڑھے لکھوں اور صحت مندوں پر فوقیت بخشتا ہے۔ منتر کا نسخہ بتاتا ہے۔ تعویذوں سے افسروں کو غلام بناتا ہے۔ کتنا ہی سنگدل محبوب کیوں نہ ہو، قدموں میں لاکر بٹھاتا ہے جن کے منہ سے رال ٹپک رہی ہے۔ سر سے پاؤں تک ننگ دھڑنگ ہیں۔ اتنا بھی ہوش نہیں کہ جسم سے گندگی نکل کر کہاں تک پھیل گئی ہے وہ اللہ تک آپ کی رسائی کرا دیتے ہیں۔

یہاں تک بھی غنیمت ہے وہ جو قبروں میں پڑے ہیں۔ جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ یہ تمہاری پکار سُن ہی نہیں سکتے اور بالفرض سُن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ اُنہیں اپنا پیشوا اور حاجت رَوا بناتا ہے۔ چلّہ کشی اور مزاروں پر چڑھاوے سے ڈوبے ہوئے جہاز اُبھر آتے ہیں اور مُردے زندہ ہو جاتے ہیں۔

مزاروں کی کھڑکیوں سے گزرنے والے جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ پہلے مُردوں کی تقدیریں زندوں کے ہاتھ میں ہوتی تھیں یعنی مُردہ بدستِ زندہ ہوتا تھا اب زِندوں کی تقدیریں مُردوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں ہم زندہ بدستِ مُردہ ہو گئے ہیں۔ یہ تصوف ہے جس میں وَحی کی جگہ کشف و الہام نے لے رکھی ہے اور جس میں ایک صوفی کو قُربِ الٰہی میسّر رہتا ہے وہ خود نماز تک پڑھنے نہیں جاتا کعبۂ خود اُس کے دروازے پر حاضر ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب بیک وقت متعدد شہروں میں پاسپورٹ کے بغیر متعدد ملکوں میں بیک وقت نظر آ سکتے ہیں اور یہ زندہ ہوں یا مُردہ ان کا خوف اور دَبدبہ اللہ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ اللہ نے کہا میں تمہاری شہ رگ سے قریب ہوں اس کے باوجود ہم اُس کے خلاف اور اُس کے حکم کے خلاف جو چاہیں کر سکتے ہیں کہہ سکتے ہیں لیکن ان مُردوں اور "مقرّبین" کے بارے میں دل میں کوئی بُرا خیال تک لاتے ہوئے ڈرتے ہیں کانپ جاتے ہیں

امتحان میں کامیابی درکار ہو۔ عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ کرانا ہو۔ صحت درکار ہو راتوں رات دولت مند بننا ہو۔ سیاست میں نمایاں ہونا ہو۔ لیڈری چمکانی ہو اور اب تو جب تک آپ ان مُردوں کے مزارات، کی دُھلائی کا پانی تبرکاً نہ لے جائیں اور پھولوں کی چادر نہ چڑھائیں تو نہ وزیر اعظم رہ سکتے ہیں اور نہ وزیر اعلیٰ ــــــ

یہ سب کیا ہے؟ تذلیلِ انسانیت اور عمل سے بے گانگی کی تعلیم، کُھلی جہالت اور اسلام کے علی الرغم باطل نظام کی تائید۔ یہیں سے تقدیر کے مسئلے نے جنم لیا اور اسی تصوف سے اسلام کے خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے۔ قرآن نے سختی سے اس کی مذمت کی ہے اور اقبال نے اسے اسلام سے دُوری کی اصل وجہ کہا ہے۔

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سُود خوار و والی و مُلا و پیر

یہ چار تاریکیاں ہیں۔ اندھیروں کے چار نام ہیں جو انسان کو بھی اندھا اور تاریک بنا دیتے ہیں کہ مرگ یا موت کو بھی پردا اور تاریکی کہہ کر پکارا گیا ہے۔

اس مرض اور مرض کے علاج کی دریافت کے بعد اقبال نے سوچا کہ اللہ کا قانون کہاں اور کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس کے لئے کسی ایسے خطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں صرف اور صرف اللہ کے قوانین نافذ کئے جائیں۔ یہ جذبۂ ایمانی تھا جس نے ایسی ہی مملکت کا تصور دیا اور جو قائدِ اعظم رح کی قیادت میں ہمارے آپ کے سامنے موجود ہے۔ آج اقبال نہ ہوتا یا اس میں یہ سوچ پیدا نہ ہوئی ہوتی تو ہم بھی ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی طرح ایک اقلیت ہوتے اور بھوک، افلاس، بے روزگاری، ذلّت اور جہالت کی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ معجزوں کا انتظار کر رہے ہوتے۔ مزاروں پر قوالیوں اور کرامتوں کے افسانے سُن رہے ہوتے۔ شکر ادا کیجئے کہ جس اقبال پر ہندوستان بھر کے علماء نے کفر کے فتوے لگائے تھے اُسی کافر کی بدولت آج ہم

آزادی کی نعمت سے مالا مال ہیں اور پھر مزید سوچئے کہ اللہ کی عطا کردہ یہ نعمت کس طرح قائم و دائم رہ سکتی ہے؟۔

---------- ○ ----------

[illegible]

[illegible]

آپ بھی خوب صُورت بن سکتے ہیں

کبھی بیمار بھی نہیں ہو سکتے

نفسِ مضمون
اقتباسات

○ ۔ " لیکن آپ مریض بنیں ہی کیوں؟ بیمار ہی کیوں ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ بیماری قریب ہی نہ پھٹکے اور حسن و رعنائی کبھی دُور ہی نہ ہو؟ رُخصت ہی نہ ہو۔ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے آپ واقعی بیمار نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ خوب صُورت بھی رہ سکتے ہیں اور اگر خوبصورت نہیں ہیں تو خوب صُورت بَن بھی سکتے ہیں۔"

○ ۔ " صرف نسخہ ہی مرض کا علاج نہیں ہُوا کرتا۔ اُس نسخہ پر عمل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

○ ۔ انسان اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں اور توانائیوں کے عجائبات دیکھ کر حیرتوں کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔"

○ ۔ " ایک بڑی اکثریت گورے رنگ کو حُسن کو جزوِ اعظم سمجھتی ہے اور گورا ہونا چاہتی ہے لیکن اس سے بھی بڑی اور چونکا دینے والی حقیقت یہ ہے کہ خود گورے لوگ بلکہ گوری قومیں اور نسلیں بھی دن رات زیادہ سے زیادہ خوب صُورت بننے اور دکھائی دینے کے جنون میں گھُلی جا رہی ہیں اور جاذبِ نظر اور پُرکشش بننے کی دُھن میں طرح طرح کے فیشن اور مصنوعی چیزوں کا استعمال بے دریغ کر رہی ہیں اور جس قدر گوری نسل اور گوری قوموں میں حسین بننے کا جنون اور احساسِ کمتری پایا جاتا ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔"

○ ۔ اشیاء ہوں یا انسان ۔۔ ان میں بد صورتی پیدا اسی اُس وقت ہوتی ہے جب وہ اعتدال اور تناسب کھو بیٹھتے ہیں اور اپنے نظامِ زندگی میں توازن قائم نہیں رکھ سکتے یا رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔" (72/ 33)

○ ۔ دورانِ حمل ماں کو مناسب غذا نہ ملے یا وہ احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرے۔ اُچھل کود، محنت مشقت، تکلیف دہ سفر۔ اعصابی اور ذہنی تھکن۔ بلڈ پریشر، شوگر کی زیادتی اور اسی قسم دیگر بے شمار الجھنوں کے درمیان پیدا ہونے والے بچّے کی صحت اور ساخت پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ کچھ والدین تیز نشے کے عادی ہوتے ہیں۔ کچھ اعصاب شکن ماحول میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اولادیں پیدائش سے پہلے اپاہج، ذہنی طور پر مفلوج یا ماؤف اور عجیب الخلقت یا عجیب و غریب بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔"

○ ۔ " سگریٹ نوشی آپ کو ہی ہلاک نہیں کرتی آپ کی آنے والی نسلوں کا بھی بیڑا غرق کرتی ہے تمباکو، سگریٹ، سگار پینے والے والدین کی اولادیں پیدائشی طور پر دوسرے بچوں کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہیں۔ اُن کے دل، جگر معدے اور پھیپھڑے صحت مند زندگی کا بوجھ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔"

○ ۔ کولڈ ڈرنکس۔ ایسنس ملی ہوئی اشیاء مثلاً چاکلیٹ۔ شوئینگ، بیکریوں میں مختلف کیمیکلز کی آمیزش سے دیر تک محفوظ رکھنے کے لئے بنائی گئی چیزیں۔ وہ فصلیں جن پر مُہلک زہر اور کیمیکلز کا چھڑکاؤ کیا گیا ہو۔ صحت کو برباد کر دیتی ہیں اس سے السر، کینسر، فسادِ خون، بلڈ پریشر، عارضۂ قلب اور اعصابی تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ اگلی نسل کی ساخت بدل جاتی ہے۔ صورت بگڑ جاتی ہے۔ رنگ سو جاتے ہیں اور رُوپ کھو جاتے ہیں۔"

دوستو! جانتے بھی ہو، خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔؟ حسن کسے کہتے ہیں؟۔ سکون کہاں سے ملتا ہے؟ قابلِ رشک صحت۔ خوشی، چین، آرام، کس طرح حاصل ہوتا ہے؟، نیند کا نشہ، زندگی کا خمار اور لذتِ کام و دہن کس خزانے سے میسر آتی ہے؟۔۔۔

یہ سب کچھ آسمانوں سے نہیں برسا کرتا۔ زمین سے نہیں پھوٹا کرتا۔ درختوں پہ نہیں اگا کرتا جنگل صحرا سمندر چٹانوں سے نہیں ملا کرتا یہ سب کچھ انسان کے اپنے اندر ہی ہوا کرتا ہے۔ ہر شخص اس خزانے سے مالا مال ہے۔ فقیر سے لے کر شاہ تک، ہر لحظہ سبھی کو یہ دولت میسر ہے۔ ان نعمتوں اور رحمتوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہر فردِ بشر کے پیکر میں شب و روز موج زن ہے۔ جو چاہے اس سے بہرہ مندی کے جواہر نکال لے جو چاہے آنکھیں بند کئے قسمت کو کوستا رہے اور محروم و مغموم مر جائے، فنا ہو جائے۔۔۔ بس ضرورت اس کی ہے اور اتنی سی ہے کہ ہم اس سے آگاہ کس طرح ہوں اور اس سے استفادہ کیسے کریں؟

دوستو! خوب صورتی، صحت، امن، رعنائی، حسن، کشش، خوشی، سکون اور میٹھی نیند، وہ انمول چیزیں ہیں جو دنیا کے کسی بازار میں نہیں بکتیں اور کسی دکان اور کسی کرنسی سے نہیں خریدی جا سکتیں۔ جس طرح دنیا کے سارے خزانے مل کر سورج کی ایک کرن کو نہیں خرید سکتے۔ ہوا کی ایک لہر کو نہیں پا سکتے۔ بارش کا ایک قطرہ حاصل نہیں کر سکتے۔ موسموں کی ایک جنبش اور گردشِ شام و سحر کی ایک کروٹ حاصل نہیں کر سکتے، اسی طرح سے طبعی سکون کا ایک

لمحہ اور خوشی کا احساس بھی انمول ہوا کرتا ہے اور کسی قیمت پر نہیں ملا کرتا۔
لیکن ذرا سا غور کریں، ادنیٰ سا فکر کریں تو کیسی کیسی حقیقتیں جگنوؤں کی طرح
جھلمل کرتی سامنے آنے لگتی ہیں اور انسان اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں اور
توانائیوں کے عجائبات دیکھ کر حیرتوں کے سمندر میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور سب
سے زیادہ حیرت یہ جان کر اور محسوس کر کے ہوتی ہے کہ یہ سب مذکورہ بالا
نعمتیں ہر انسان کو ربِّ کائنات کی طرف سے کسی محنت اور معاوضہ کے بغیر
مُفت ملی ہوئی ہیں اور ان سے آگاہی اگر کہیں سے ممکن ہو سکتی ہے تو اس تمام
کرۂ ارض پر صرف اور صرف ایک کتاب سے ہو سکتی ہے اور وہ ہے قرآنِ کریم جو
اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اعلان کے ساتھ ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس دنیا کی طرف
بھیجا گیا

یا ایھاالناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی
الصدور وھدی ورحمۃ للمومنین (۱۰:۵۷)

اے بنی نوعِ انسان تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے یہ ضابطۂ حیات
(قرآن) تمہارے پاس آگیا ہے جس میں ہر اُس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے
دل کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔"

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھوا خیر مما
یجمعون۔(۱۰:۵۸)

"ان سے کہو کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت کا مل جانا اللہ کے فضل اور رحمت
سے ہے۔ تم کسی قیمت پر بھی اسے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا تمہیں چاہیے
کہ تم اس کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ ہر اُس شے سے بہتر ہے جسے تم جمع
کرتے رہتے ہو یعنی زندگی کی ہر متاع سے زیادہ قیمتی اور زیادہ اچھی اور مفید۔"

اللہ کا سب سے بڑا کرم اور احسان بنی نوعِ انسان پر ہے ہی یہ کہ اُس نے

انسان کو اُس کے اصل مقام اور مرتبہ سے آگاہ و آشنا کر دیا اور اُس کے اندر جس قدر بھی طاقت، توانائی اور صلاحیت تھی نہ صرف یہ کہ اُس سے باخبر کر دیا بلکہ اُس کے مفید و مُضر ہونے کی نشان دَہی بھی کر دی اور اُن کو استعمال میں لانے کی ترکیب یعنی نسخہ بھی بتا دیا۔

آپ نے تانگہ تو دیکھا ہو گا اور اکثر ایسا بھی دیکھا ہو گا کہ بارہ چودہ برس کا کوئی کمزور سا لڑکا تانگہ چلا رہا ہے وہ سارا سارا دن تانگے کو شہر بھر میں دوڑانے پھر رہا ہے۔ گھوڑے کو چابک پہ چابک مارے جاتا ہے اور گھوڑا اُس کے اشارے پر سَر جھکائے ہانپتا کانپتا عمل کرتا چلا جاتا ہے۔۔۔ کبھی سوچا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ معمولی سے، کمزور سے نو عمر اور ناتواں بچے سے وہ گھوڑا ہنٹر اور کوڑے کیوں کھائے جاتا ہے؟۔ جبکہ اُس کی طاقت کا عالم یہ ہے کہ چاہے تو ایک دولتی سے سواریوں سمیت تانگہ کو اُلٹ دے۔ ہاں یہ علم وہ اس لئے سمجھتا ہے کہ اسے اپنے اندر چھُپی ہوئی توانائیوں کا ادراک ہی نہیں ہوتا، علم اور اندازہ ہی نہیں ہوتا۔

یہی مثال انسان کی ہے۔ اُسے علم ہی نہیں ہے کہ وہ کِن طاقتوں اور عظمتوں کا مالک ہے وہ چاہے تو اِس سارے نظامِ الٰہی اور کائنات کی ساری توانائی کو مُسخّر کر سکتا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ج وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْہٰرَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّہَارَ (۱۴/۳۲-۳۳)

"

اللہ تعالیٰ نے اسباب و ذرائع مُہیا کر دئیے ہیں اور تمہارے لئے سمندر، دریا، دن اور رات چاند اور سُورج کو مسخر کر دیا ہے اور اس طرح تمہیں وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کی تمہیں اپنی نشوونما کے لئے ضرورت ہے (۵۵/۱۹)

یہ سامانِ رزق اِس قدر متنوع اور زیادہ ہے کہ اگر تم اسے گننے لگو تو اس کا احاطہ نہ کر سکو۔۔۔۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو اس قدر طاقت و عظمت عطا کر دی لیکن آگاہی اور علم نہ ہونے کی بنا پر یہی انسان معمولی معمولی کمزوریوں اور بیماریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔۔۔ اپنی اپنی جگہ ہر فرد آفتاب و ماہتاب ہے۔ توانائیوں کا منبع ہے۔ حُسن کا مخزن ہے۔ خوشی کا مصدر ہے۔ صحت و سکون کا محور ہے لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ انہی چیزوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ سمندر میں رہ کر پیاس سے بلکتا رہتا ہے۔ روشنی کے ہجوم میں اندھیروں کا گلہ کرتا رہتا ہے دولت کے انبار پہ بیٹھا مفلسی کا رونا روتا رہتا ہے۔ اناج کے ڈھیر پر بھوک اور فاقہ سے مر جاتا ہے اور یہ سب کچھ "نسخہ کیمیا" بل جانے سے پہلے بھی تھا اور اس کے بعد بھی ایسا ہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صرف نسخہ ہی کسی مرض کا علاج نہیں ہُوا کرتا۔ اِس نسخہ پر عمل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نسخہ میں درج ہدایات، طریقِ استعمال اور اشیاء کے اوزان کا بھی خیال نہ رکھا جائے تو آبِ حیات بھی "دعوتِ مرگ" بن جاتا ہے۔ اسد اللہ خان غالب نے کہا تھا۔ ع

دَرد کا حد سے گزرنا ہے، دَوا ہو جانا

لیکن دَوا بھی حد سے گزر جائے تو دَرد بن جاتی ہے۔ معلوم ہوا اصل چیز توازن ہے۔ اعتدال ہے۔ پرہیز ہے اور نسخہ کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔

اِسلام کوئی پرستش، پُوجا پاٹ جھاڑ پھونک اور جنتر منتر کی چیز نہیں ہے۔ ایک ضابطہ ہے۔ قانون ہے۔ ہدایت ہے۔ زندگی پانے اور گزارنے کا ہُنر ہے اور یہ کسی ایک قوم یا قبیلہ یا گروہ کے لئے بھی نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ہے۔ صرف موجودہ زمانے کے لوگوں کے لئے نہیں ہے قیامت تک آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لئے ہے۔۔۔ اس کرۂ ارض کے آخری سانس تک

اور نسل آدم کی آخری کڑی تک انسانیت کے ہر دکھ اور ہر بیماری، ہر تباہی کا علاج اور مداوا اس کا دعویٰ ہے۔ چیلنج ہے اور مہلت ہے۔ بے مزد و بے معاوضہ ہے۔ فرد ہو یا قوم، کافر ہو یا مسلم، مرد ہو یا عورت جو چاہے یہ آب حیات اور یہ نسخہ بقاء قرآن کریم کی پہنائیوں سے حاصل کر لے اور امر ہو جائے۔ شرط وہی ہے جس کا ابھی ذکر کیا ہے کہ طریق استعمال اور اجزائے اشیاء کے اوزان نسخہ کے مطابق ہوں۔ واذا مرضت فھو یشفین (26/80) "اور مریض ہو جاؤ تو جو قوانین، صحت کے لئے اللہ نے بنائے ہیں، ان کے مطابق عمل کرو۔"

یہ طریق تو مریض ہو جانے کے بعد کا ہے لیکن آپ مریض بنیں ہی کیوں؟ بیمار ہی کیوں ہوں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا بیماری قریب ہی نہ پھٹکے اور حسن و رعنائی کبھی دور ہی نہ ہو؟ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے آپ کبھی بیمار نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ خوب صورت بھی رہ سکتے ہیں اور اگر خوب صورت نہیں ہیں تو خوبصورت بن بھی سکتے ہیں۔ آئیے ترتیب سے چلتے ہیں۔ پہلے حسن اور خوب صورتی کی بات کرتے ہیں پھر بیماری اور صحت کا ذکر کریں گے۔

یہ حسن کیا ہے؟ خوب صورتی کیا ہے؟ ساری دنیا میں، ہر قوم اور قبیلے میں بلکہ ہر شخص کی نظر میں حسن کا معیار اور Conception جدا ہے، مختلف ہے بہت سے لوگ صرف گورے رنگ کو ہی خوب صورتی سمجھتے ہیں اور کالا رنگ بدصورتی کی علامت ہوتا ہے۔ کہیں متناسب اعضاء رکھنے والوں کو حسین کہا جاتا ہے۔ شعراء کا نظریہ بالکل ہی مختلف ہوتا ہے ان کے نزدیک عمر اور حسن، خود حسن محبت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن خوب صورتی کیا گورے یا کالے رنگ کی محتاج ہوتی ہے؟ کیا چھوٹی آنکھوں اور مختصر قد میں خوب صورتی نہیں ہو سکتی؟ کیا چوڑی ناک اور تنگ پیشانی والے حسین نہیں ہو سکتے۔؟ یقیناً ہو سکتے ہیں ہمارے نزدیک سچا اور حقیقی معیار وہی ہے جو قرآن کریم کا مقرر کردہ ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ "اللہ احسن الخالقین ہے۔" (۲۳/۱۴) یعنی اللہ نے اس

کائنات میں جو کچھ بھی تخلیق کیا ہے وہ سب کا سب حسین ہے۔
اَلزی اَحسن کُلّ شئیٍ خلقہٗ (32/7) وہ اس نے کل چیزوں کو خوب صورت اور حسین بنایا ہے۔" ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (95/4) وہ اور تمام انسانوں (نوع انسان) کو بہترین شکل و صورت عطا کی گئی ہے۔"
اب جب اللہ تعالیٰ کا فرمانا یہ ہے کہ ہر فرد بشر کو حسین اور خوب صورت بنایا گیا ہے اور یہی نہیں کہ ہر انسان کو بلکہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کی سب حسین ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ خود بہترین چیزوں کو تخلیق کرنے والے ہیں۔ تو اس کے بعد انسانی معیار حسن کی حقیقت کچھ بھی نہیں رہتی۔ ہر وہ چیز جو پیدا کی گئی ہے خوب صورت قرار پاتی ہے۔ ذات پات، نسل، رنگ، قد و قامت، گورا کالا، پست طویل، سب بے معنی معیار ہو جاتے ہیں۔

اتنی بڑی اور واضح حقیقت سامنے آجانے کے بعد بھی یہی جگہ یہ بات اٹل ہے کہ ساری دنیا میں "پسند ناپسند" کا معیار بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ایک جگہ اکثریت گورے رنگ کو حسن کا جزو اعظم سمجھتی ہے اور گورا ہونا چاہتی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑی اور چونکا دینے والی حقیقت یہ ہے کہ خود گورے لوگ بلکہ گوری قومیں اور نسلیں بھی دن رات زیادہ سے زیادہ خوب صورت بننے اور دکھائی دینے کے جنون و فکر میں گھلی جا رہی ہیں اور جاذب نظر اور پرکشش بننے کی دھن میں طرح طرح کے لیشن اور مصنوعی چیزوں کا استعمال بے دریغ کر رہی ہیں اور جس قدر گوری نسل اور قوموں میں حسین بننے کا جنون پایا جاتا ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ اس کا اندازہ یورپ اور مغربی ممالک میں ایجاد و استعمال ہونے والے کاسمیٹکس، پرفیومز، پاؤڈرز، لوشن اور لباس و خوراک و، ادویات وغیرہ۔ سے لگایا جا سکتا ہے۔ اب تو یہ بات بھی حیرت میں نہیں ڈالتی کہ اقوام یورپ کی گوری نسل، مصنوعی اعضاء، پلکیں، وہ آئی کو ٹیننگ

لینس اور پلاسٹک سرجری کی عادی بھی ہوتی جا رہی ہے ۔۔ یہ سب کس لئے ہے ؟ صرف خوب صورت اور حسین بننے اور دکھائی دینے کے جنون و شوق میں ۔۔۔!!

تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ رنگ اور قد و قامت کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جو لمبے ہیں وہ چھوٹا ہونا چاہتے ہیں اور جو چھوٹے ہیں وہ طویل بننا پسند کرتے ہیں لیکن مطمئن دونوں نہیں ہوتے۔ اگر آپ کسی حسین سے حسین شخص سے پوچھئے وہ بھی خود کو مکمل نہیں کہہ سکے گا کسی نہ کسی کمی اور ضرورت کا احساس ضرور رکھتا ہو گا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی دور کا معیار حسن بھی ثبات نہیں رکھتا۔ جو چیز ایک دور میں بری یا بد صورت تھی دوسرے دور میں حسن کہلائی۔ جو آج ہے کل مختلف معیار کا ہو گا جو کل مختلف تھا آج اپنی ضد آپ ہے۔ تو پھر دائمی معیار حسن کیا ہوا؟ دیکھئے حیرت ہوتی ہے اس کا جواب بھی قرآن سے مل جاتا ہے اور بات کس قدر نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ فرمایا

صنع اللہ الزی اتقن کل شیئ (27/88) " اللہ نے ہر شے کو ٹھیک ٹھیک تناسب کے ساتھ بنایا ہے۔ " یا یہ کہ وصورکم فاحسن صورکم (40/64) " اور زندگی کا پیکر عطا کیا تو ایسا جو بہترین حسن و تناسب کا مظہر ہے۔ " اور بالکل انہی لفظوں کو " سورۃ التغابن " کی آیت نمبر ۳ میں بھی اللہ نے دوہرایا ہے اور " سورۃ الملک " کی آیت ۳ میں تو بات کو اس طرح سمجھایا ہے کہ مزید کسی وضاحت اور تفصیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

الزی خلق سبع سموت طباقا ما تری فی خلق الرحمن من تفوت فارجع البصر ھل تری من فطور (67/3)

کائنات میں کسی جگہ بھی تم عدم تناسب، جھول، ڈھیل، شکن اور سلوٹ نہیں دیکھو گے ۔۔ تم یہاں سے وہاں تک دیکھ جاؤ تمہیں اللہ تعالی کی تخلیق کردہ کائنات میں کہیں بھی بے ترتیبی نظر نہیں آئے گی۔ ایک بار نہیں تم بار بار نگاہ

کو لوٹا کر دیکھو۔ خوب جانچ پڑتال کرو۔ تمہیں کہیں کوئی دراڑ یا درز دکھائی نہیں دے گی کوئی شے بے جوڑ اور انمل نہیں ہو گی۔"

آپ نے غور کیا؟ بات کیا بنی۔ حسن کا معیار کیا چیز قرار پائی۔؟ وہی جس کا ذکر ابھی کچھ دیر پہلے ہوا ہے۔ تناسب، توازن، اعتدال، جو چیز جس قدر متناسب ہو گی، متوازن ہو گی اتنی ہی PERFECT ہو گی اور "حسین" کہلائے گی۔ یہ ہے حسن و خوب صورتی کا قرآنی معیار اس معیار کی رُو سے کالے رنگ اور گورے رنگ کی کوئی تخصیص نہیں رہی۔ کالے رنگ کا انسان اگر متناسب ہے متوازن ہے اور مکمل (Perfect) ہے تو وہ "حسین" ہے اور گورا رنگ متناسب نہیں ہے تو بد صورتی کے زمرہ میں آتا ہے

یہ کائنات اور اس کائنات میں موجود ہر شے اسی لئے حسین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تناسب اور توازن رکھا ہے 27/88 حتیٰ کہ نباتات اور حیوانات تک میں ایک تناسب اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شے اعتدال میں نہ رہے اور اپنا توازن کھو بیٹھے تو ایک طرف تو وہ خود بد وضع اور بد صورت ہو جائے گی اور دوسری طرف تباہی و بربادی کا سبب بھی بن جائے گی۔ ہوا اگر توازن کھو بیٹھے تو پورا کرہ ارض تہہ و بالا ہو کر رہ جائے گا پانی اگر اعتدال سے تجاوز کر جائے تو زندگی دینے کے بجائے زندگی لینے کا باعث بن جائے گا۔ سورج اگر حدود فراموش ہو جائے تو ہماری یہ دنیا۔۔ دوسرے ہی لمحہ ایک کوئلہ بن جائے گی۔ گرمی، سردی، موسم غرض کسی بھی چیز کو لے لیجئے اگر یہ سب تناسب قائم نہ رکھ سکیں تو نہ یہ خوبصورت کہلائیں اور نہ زندگی بخش رہیں۔ یہ سب ہوں یا حضرت انسان ہوں؟ اسی وقت تک حسین، پر کشش، حیات بخش اور شاہکار ہیں جب تک اعتدال میں ہیں توازن قائم رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ خارجی کائنات کی مثال ہی اس لئے دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے سمجھانے کہ دیکھو جس طرح اللہ کے دئے ہوئے قانون اور ضابطوں کی پابندی کرنے سے اشیائے

کائنات میں کوئی انتشار پیدا نہیں ہوتا۔ کبھی فساد نہیں ہوتا کبھی کسی قسم کا جھگڑا یا اختلاف نہیں ہوتا اور کبھی ان میں بدصورتی پیدا نہیں ہوتی تو اگر انسان بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نسخہ (قرآن کریم) کے مطابق، قانون کی اور ہدایت کی، پابندی کرے تو وہ بھی ہمیشہ امن و سلامتی میں رہ سکتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی امن و سلامتی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کی Perfection میں کبھی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ حسین اور خوبصورت رہ سکتا ہے۔۔۔ گویا اشیاء ہوں یا انسان اس میں "بدصورتی" پیدا ہی اُس وقت ہوتی ہے جب وہ اعتدال اور تناسب کھو بیٹھتا ہے اور اپنے نظامِ زندگی میں توازن قائم نہیں رکھ سکتا یا رکھنے میں ناکام رہتا ہے۔ (33/72)

یہاں بہت ہی اہم سوال سامنے آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکمل (Perfect) بنایا ہے اور اَحسن یعنی حسین و جمیل بھی تو یہ جو اکثر و بیشتر ٹیڑھے بڑھنگے، بے ہنگم اور عجیب الخلقت لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ کیا یہ سب بھی "حسین و جمیل" کہلانے جا سکتے ہیں؟ کیا انہیں بھی قدرت کا شاہکار ہی کہا جائے گا۔؟ جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ نہ اِس کا تعلق قدرت سے ہے اور نہ تقدیر سے اور نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مَنشا، مرضی اور عملِ تخلیق سے ہے۔ اللہ تو انسان کو مکمل اور حسین ہی پیدا کرتا ہے لیکن انسان اپنی تباہی اور بدصُورتی کے سامان خود ہی کرتا رہتا ہے (95/4)

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔ "قد جعل اللہ لکل شیئ قدرا (65/3) عربی زبان میں "قدر" کہتے ہی پیمانے کو ہیں یعنی ایسا ضابطہ اور قانونِ ہدایت جس کی پابندی ہر شے کر رہی ہے چنانچہ انسان کے لئے بھی ایسا ہی کیا گیا۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو اُس کے لئے بھی پیمانے مقرر کر دیئے۔ "من نطفۃ خلقہ فقدرہ۔ (80/19) یعنی انسان کے لئے بھی ضابطہ اور قانون بنایا۔ "اب جو بھی انسان اس ضابطہ کے مطابق

زندگی گزارے تو وہ بہترین مخلوق بن جاتا ہے اور "وحی" یعنی ضابطۂ ہدایت کے مطابق نہ چلے تو بدترین مخلوق بن جاتا ہے۔"

اِنّ الّذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خلدین فیہا اولئک ہم شر البریہ ان الّذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحت اولئک ہم خیر البریہ (98/6-7)

قرآن مکرم کے ان الفاظ پر پھر غور کیجئے کہا یہ گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے مقرر کردہ ضابطوں اور پیمانوں کے مطابق عمل نہیں کرتے اور اس طرح کفر اور شرک کے مرتکب ہوتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ان کا شمار بدترین مخلوق میں ہوگا اور جو اللہ کے قوانین پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وہی بہترین مخلوق میں شمار ہوں گے۔۔۔ یعنی عمل کرنا اور نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار اور ارادہ میں ہے جو جیسا عمل کرے گا ویسا ہی بن جائے گا۔ چاہے تو بہترین مخلوق بن جائے اور جنت کی زندگی پالے اور چاہے تو اللہ کے مقرر کردہ قوانین سے منہ موڑ کر من مانی کرے اور بدترین مخلوق بن جائے۔ اپنے عمل اور ارادہ میں وہ مکمل آزاد ہے (76/2،3) اسی ایک بات سے مسئلۂ تقدیر بھی حل ہو جاتا ہے کہ انسان کے اعمال اس کی پیدائش سے پہلے لکھے ہوئے نہیں ہوتے۔ وہ مجبورِ محض نہیں ہے۔ یہ لفظ تقدیر بھی "قدر" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی "پیمانہ اور اندازہ" ہوتے ہیں۔ اسی سے لفظ مقدر بھی نکلا ہے۔ یہ بات ضمناً نہیں آئی اور نہ بطور جملہ معترضہ کہی گئی ہے ہمارے زیر بحث موضوع سے ہی متعلق ہے۔

ذکر ہو رہا تھا کہ یہ جو بدصورت، بدوضع، بے ہنگم، عجیب الخلقت اور ٹیڑھے بڑنگے لوگ دکھائی دیتے ہیں کیا انہیں بھی "اللہ کی شاہکار تخلیق" کہا جائے گا؟ اور ہم نے کہا تھا ہرگز نہیں۔۔۔ اللہ نے انسان کو حسین و مکمل (Completely Perfect) بنایا (40/64) لیکن بدصورتی اور تباہی کا سامان

انسان خود کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ کے مقرر کردہ اصولوں، ضابطوں اور پیمانوں سے جب انحراف کر کے من مانی کرنے لگتا ہے تو سارا نظام ہیئت اتھل پتھل ہو کر رہ جاتا ہے --- اللہ تعالیٰ نے غذا اس کا استعمال۔ صحت اور اس کے اصول اور جسمانی بقاء و فلاح کے بھی کچھ پیمانے مقرر کئے ہیں اور قرآن کریم میں ان کا ذکر اور واضح ہدایات موجود ہیں ان کے مطابق عمل کرنے سے انسان کبھی بیمار نہیں پڑ سکتا اور طبعی عمر خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، انسان چاق و چوبند رہ سکتا ہے ---

یہاں صرف اسی قدر سمجھ لیجئے کہ صحت کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا جانے تو نظام جسم بگڑ جاتا ہے اور صرف تباہی و بربادی ہی نہیں آتی، موت بھی آجایا کرتی ہے۔ آپ اسے کائنات جسم کی قیامت بھی کہہ سکتے ہیں یہ جس قدر بھی وہ بد صورتی "، عجیب الخلقت اور بے ہنگم مخلوق نظر آتی ہے یہ ان کی اپنی اور بیشتر ان کے والدین کی غلطیوں، کوتاہیوں، لاپرواہیوں اور اصول صحت سے انحراف کا نتیجہ ہوتی ہے۔ دوران حمل ماں کو مناسب غذا نہ ملے یا وہ احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرے۔ اچھل کود، محنت مشقت، تکلیف دہ سفر اعصابی اور ذہنی تھکن، بلڈ پریشر شوگر کی زیادتی اور اسی قسم کی دیگر بے شمار باتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچے کی صحت اور ساخت پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ کچھ والدین تیز نشہ کے عادی ہوتے ہیں۔ کچھ اعصاب شکن ماحول میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اولادیں، پیدائش سے پہلے اپاہج، ذہنی طور پر ماؤف اور عجیب الخلقت یا عجیب عجیب بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ امریکہ، یورپ اور افریقہ میں بے شمار ایسے بچے پیدا ہو رہے ہیں جو "ایڈز" کا شکار ہیں۔ کیا ان سب کو اللہ یہ بیماریاں اور عذاب دے کر دنیا میں بھیج رہا ہے؟ نہیں۔ یہ ان کے والدین کی ہی بد اعمالی اور غلط روشوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان ممالک کو چھوڑئیے، مشرق وسطیٰ، ایشیا اور برصغیر پاک و ہند میں طبی ماہرین نے بیشتر مہلک بیماریوں کا جو سبب دریافت کیا ہے وہ

بڑا حیران کن ہے ۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قدرتی چیزوں اور اصولوں کو چھوڑ کر مصنوعی طریقے اپنانے کی وجہ سے انسانی صحت تباہ ہو گئی ہے اور نسلِ انسانی اس قدر کمزور ہوتی جا رہی ہے کہ مستقبل تک ڈھندلا کر رہ گیا ہے ۔۔۔

اور یہ مصنوعی طریقے اور غذا کیا ہے ؟ صرف چند کا حوالہ پڑھ لیجئے ۔ صاف پانی کے بجائے کولڈ ڈرنکس ۔ دودھ اور پھلوں کے رس کے بجائے چائے ۔ کافی اور ایسنس ملی ہوئی مصنوعی اشیاء، چاکلیٹ ، ٹافیز ، سوئیٹس وغیرہ ۔۔ خالص گندم جس میں فائبر شامل ہو (یعنی چھان بورا ، میدہ سوجی وغیرہ نہ نکالی گئی ہو) سے بنی ہوئی روٹی اور غذا کے بجائے بیکریوں میں مختلف کیمیکلز کی آمیزش سے دیر تک محفوظ رکھنے کے لئے بنائی گئی چیزیں یعنی بریڈ ، بسکٹ وغیرہ سبزیوں ، گوشت اور دالوں کے بجائے تیل اور طرح طرح کے گھی میں تلی اور بنی ہوئی چیزیں مثلاً چپس ، کرسپس اور سنیکس وغیرہ ۔ حتیٰ کہ وہ فصلیں جن پر انتہائی مہلک زہر اور کیمیکلز کا چھڑکاؤ کیا گیا ہو ۔ صحت کو برباد کر دیتی ہیں ۔ جسمانی صحت اور بقا کے لئے عام طبی اصول یہ ہے کہ قدرتی چیزوں پھلوں ، سبزیوں کا استعمال ، تازہ پانی ، صاف کھلی فضا ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہوا اور غذا ضروری ہے یہ ایک عام ضابطہ ہے ، اصول اور پیمانہ ہے اس سے انحراف کرنے اور مصنوعی چیزوں اور ایسنس اور کیمیکلز سے تیار کردہ غذا جسمانی نظام و صحت کو بُری طرح نڈھال و پامال کر دیتی ہے ۔ اور اس سے السر ، کینسر ، فسادِ خون ، بلڈ پریشر اور اعصابی تناؤ ظہور پزیر ہوتا ہے اور اس کا اثر آئندہ نسلوں تک کو محیط ہو جاتا ہے ۔ اگلی نسل کی ساخت بدل جاتی ہے ۔ صورت بگڑ جاتی ہے ۔ رنگ سو جاتے ہیں اور روپ کھو جاتے ہیں ۔ اگر ہم خوب صورت رہنا چاہتے ہیں اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی خوب صورت دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مصنوعی طریقے چھوڑنے ہوں گے ۔ قدرتی چیزوں اور طور طریقوں کو اپنانا ہو گا ۔ اور انتہائی سادہ زندگی اختیار کرنا ہو گی ۔

دوستو ! قرآن کریم کا دعویٰ ہے اور اللہ کا یہ چیلنج ہے کہ جو بھی مقرر کردہ

اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کرے گا۔ اس کے لئے فلاح ہی فلاح ہے۔ حسن ہی حسن ہے۔ جمال ہی جمال ہے۔ بقا ہی بقا ہے۔ بدصورتی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی (21/10) سو اللہ کے اس دعوے کو جو چاہے آزما کر دیکھ لے اور خود کو حسین سے حسین تر، بے مثال فرد بشر اور مرقع جمال پیکر، بنالے

اسی طرح۔ قرآن کریم نے انسان کے جسمانی امراض کا بھی ذکر کیا ہے اور نفسیاتی امراض کا بھی۔ ان دونوں کے لئے ایک ہی اصطلاح استعمال کی ہے "مَا فِی الصُّدُور" آپ انہیں "دل کی بیماریاں" کہہ سکتے ہیں ان کے لئے بھی اللہ کا دعویٰ ہے۔ "یا ایہا الناس قد جاء تکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور" (10/57) اے نوع انسان! تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے یہ ضابطہ ہدایت (قرآن کریم تمہارے پاس آگیا ہے۔ اس میں ان کشمکش (اور تمام بیماریوں) کا علاج موجود ہے جو تمہارے دلوں کو پریشان رکھتی ہیں۔ (اور لاحق ہو سکتی ہیں)۔"

قرآن کی رو سے کسی نظام کے اعتدال اور توازن کے بگڑنے کو "مرض" کہتے ہیں جس سے قوتوں میں اضمحلال آجاتا ہے۔ اس نظام کے پھر سے اعتدال پر آجانے کا نام "شفا" ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ طبی سائنس ابھی پنگوڑے میں تھی اور پورے کرۂ ارض پر جن بیماریوں کا نام تک کوئی نہیں جانتا تھا یا جن باتوں کو "امراض" کے زمرے میں شمار ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ قرآن نہ صرف ان کا ذکر کرتا ہے بلکہ تفصیل بھی دیتا ہے۔ وجہ مرض اور اس کا علاج تک تجویز کرتا ہے۔ مثلاً نفسیاتی پیچیدگیاں اور الجھنیں MENTAL DISTURBANCES یا (Psychological Disorders) یا EQUILIBRIUM ذہنی توازن بگڑ جانا یا TENSENESS اعصابی اور ذہنی کھچاؤ وغیرہ۔ یہی نہیں آج کے ترقی یافتہ دور اور سائنس کے عروج کے زمانے

میں بھی ایک نام ایسا نظر آتا ہے جسے چند برس پہلے تک مرض نہیں سمجھا گیا تھا بلکہ کوئی مرض کہتا تو طبی سائنس قہقہہ لگانے لگتی تھی لیکن قرآن حکیم نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس کو مرض ہی نہیں کہا بلکہ "مہلک مرض" قرار دیا اور وہ ہے "دوہری شخصیت" یعنی منافقت (HYPOCRACY) جو انسانی کیریکٹر کو اس قدر کمزور کر دیتی ہے کہ انسان متوازن رہ ہی نہیں سکتا۔ اس قدر نفسیاتی مریض ہو جاتا ہے کہ اس پر دین اور دنیا دونوں حرام ہو جاتے ہیں۔ دلوں میں کج روی کے جذبات شدید تر ہو جاتے ہیں۔ (22/53) کسی بات پر اعتماد نہیں ہوتا۔ (33/12) ذہن ایسا مکدر ہو جاتا ہے کہ کوئی بات صاف دکھائی نہیں دیتی (9/125) دل میں حسد اور بغض پیدا ہو جاتا ہے (8/49) بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانے لگتے ہیں (58/14) جس بات سے روکو، وہی کرتے ہیں (58/8) ہر بات میں شک اور شبہ کرتے ہیں (24/50) دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ زبان پر نہیں لاتے۔ زبان پر لاتے ہوئے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ اور ہیں۔ (3/196) قرآن کریم میں ایک سو آیتوں میں منافقین کا ذکر آیا ہے اور ایک پوری سورہ "سورۃ منافقون" کے نام سے ہے جس میں اس بیماری کی تفصیل اور علاج بیان کیا گیا ہے اور لا علاج مریضوں کے لئے دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ "یہ جہنم میں جائیں گے۔" (46/20.32/20)

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کا منتہیٰ اور مقصد "ذات انسانی" کی نشوونما ہے جس کی محسوس و معلوم اور واضح شکل ہوتی ہے ایک متوازن شخصیت یعنی (BALANCED PERSONALITY) اس متوازن شخصیت میں کسی قسم کا کوئی نفسیاتی مرض (Complex) نہیں ہوتا۔ ہو ہی نہیں سکتا۔ لہذا جو لوگ اللہ کے اس ضابطہ حیات کی پیروی کرتے ہیں وہ ہمیشہ متوازن رہتے ہیں Balanced رہتے ہیں۔ کبھی بیمار نہیں ہو سکتے۔ طبی قوانین اور صحت کے

اصولوں کی پاسداری و پابندی زندگی کو بہشت افزا بنا دیتی ہے۔ جنت بداماں کر دیتی ہے۔

صرف ایک سوال

سوال ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قاتل جہنم میں جائے گا لیکن دوسری طرف قرآن میں ہے "یُحیی و یُمیتُ" یعنی وہی (اللہ) زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب زندگی اور موت اللہ کے اپنے اختیار میں ہے تو انسان کسی دوسرے انسان کو کیسے ہلاک کر سکتا ہے ؟ اور اگر انسان اللہ کی مرضی سے دوسرے انسان کو ہلاک کرتا ہے تو پھر وہ جہنم میں کیوں جائے گا اس نے تو اللہ کی مرضی سے قتل کیا ہے ؟

جواب ۔ بلاشبہ زندگی اور موت پر اللہ ہی کو قدرت حاصل ہے لیکن زندگی سے مراد صرف انسانی زندگی نہیں ہے تاہم سوال کے پیش نظر اسے انہی معنوں میں محدود بھی لیا جائے تو بات یوں بنے گی کہ زندگی آغاز ہے اور موت انجام آغاز اور انجام دونوں ہی کا مالک رب ہے لیکن رب نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ جس چیز کا آغاز ہے اس کا انجام بھی لازمی ہے ۔ جو چیز وجود میں آتی ہے اسے فنا بھی ہونا ہے اور اس سے نجات کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ جو آیا ہے وہ جائے گا جو پیدا ہوا ہے وہ ختم بھی ضرور ہو گا ۔

اس کے بعد انسان کو کامل اختیار عطا کر دیا کہ وہ جس طرح چاہے اپنی زندگی گزارے یہ اختیار اس حد تک عطا کیا گیا ہے کہ انسان اپنی زندگی کو (وحی کی روشنی میں) جنتی بھی بنا سکتا ہے اور جہنمی بھی بنا سکتا ہے ۔ زندگی کو مختصر بھی کر سکتا ہے ۔ اسے طویل بھی کر سکتا ہے صحت مند بھی بنا سکتا ہے کمزور بھی اور ضعیف بھی بنا سکتا ہے اور جب چاہے اسے اپنی مرضی سے ختم بھی کر سکتا ہے اپنی زندگی تو ایک طرف یہ بھی انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ جب چاہے دوسروں کی زندگی بھی ختم کر سکتا ہے ۔

یہ صبح و شام جو خودکشی کے واقعات نظروں سے گزرتے ہیں اور انسان کے

ہاتھوں دوسرے انسانوں کا قتل ہوتا ہے۔ یہ سب اسی عطا کردہ اختیار کا مظہر ہوتا ہے اس سے بھی آگے چلئے۔ بڑی بڑی طاقتیں حکومتیں بموں کے ذریعے۔ فوج کشی کے ذریعہ اور دیگر تباہ کاریوں کے ذریعہ قوموں کی قوموں کو ہلاک کر دیتی ہیں یہ سب کیا ہے؟

اگر موت کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوتا تو جب کفار، خود اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں سے جنگ کرنے آتے تو رسولوں اور مومنوں کو کبھی ہلاک نہ کر سکتے۔ کیا تاریخ نہیں بتاتی کہ کفار کے ہاتھوں خود وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں شہید ہوئے ہیں جنہیں قرآن "اللہ کے سپاہی" کہہ کر تعارف کراتا ہے۔ اور تو اور بعض پیغمبر تک کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔

اس سے بھی آگے چلئے۔ قرآن کریم کے پانچویں سورہ کی بتیسویں آیت ہے "جس نے کسی ایک کی جان کو ناحق ضائع کر دیا اس نے گویا پوری نوعِ انسان کو ہلاک کر دیا۔ (۳۲\۵)"

اس سے واضح ہوا کہ انسان کسی دوسرے کی جان کو ضائع بھی کر سکتا ہے، ہلاک بھی کر سکتا ہے اور مار دینے، ہلاک کر دینے، زندگی ختم کر دینے کا اختیار رب سے مخصوص نہیں ہے انسان کی قدرت میں بھی ہے۔ جیسا کہ میں نے آغاز میں کہا کہ رب نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ جس چیز کا آغاز ہوا ہے اس کا انجام لازمی ہے۔ فنا ہر شے کا مقدر ہے لیکن رب نے یہ نہیں کہا کہ زندگی اور موت اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے یا پہلے سے لکھ دی ہے۔ یا ازل ہی میں ہر ذی روح کی عمر کا تعین کر دیا ہے کہ کب تک جئے گا۔ کب مرے گا اور کس طرح مرے گا؟

یہ غیر قرآنی تصور ہے اور عجمی سازش کا نتیجہ ہے۔ جہاں سے "تقدیر" کے فلسفے اور تصور نے جنم لیا۔ سوچو اگر یہ سچ ہے اور ایک شخص کسی کا قتل کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات اس کے مقدر میں لکھ دی گئی

تھی کہ وہ قتل کرے گا۔ اس نے تو وہی کیا جو رب کا منشا تھا اور رب نے خود طے کر رکھا تھا، خود لکھ رکھا تھا۔ اسی طرح مقتول کی موت بھی پہلے سے اور اسی انداز سے لکھی ہوئی تھی۔ پھر دیکھو کہ اللہ کا تصور کس قدر عجیب لگتا ہے کہ ایک طرف اس نے لکھ دیا کہ یہ شخص قتل کرے گا دوسری طرف کہا کہ اگر تو نے قتل کیا تو جہنم میں ڈال دوں گا بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے زندگی اور موت کے لئے کچھ پیمانے مقرر کئے ہیں کچھ ضابطے بنائے ہیں اور انسان کی تخلیق اپنے مخصوص پروگرام کے تحت کی ہے اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا قتل کرتا ہے تو گویا اللہ کے پروگرام اور ضابطے میں خلل اندازی کرتا ہے اور اس سے توازن بگڑتا ہے۔

(۲) دوسری طرف زندگی کو مہلت کا وقفہ بھی کہا گیا ہے جس میں انسان کو اپنے ماضی کی غلطیوں اور کمزوریوں پر غالب آنے کا موقع ملتا ہے اور وہ آخرت کی دائمی زندگی کے لئے "زادِ راہ" اکٹھا کرتا ہے۔

اب اگر کوئی اچانک کسی کو ہلاک کر دے تو گویا وہ دوسرے کے مہلت کے وقفہ کو ختم کر دیتا ہے۔

(۳) ہر انسان بظاہر وہ ایک ہی انسان "ہوتا ہے لیکن ذرا غور کرو تو وہ ایک انسان نہیں ہوتا۔ ایک نسل کی زنجیر کا سرا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اس سرے کو توڑتا ہے تو گویا پوری زنجیر کو توڑ دیتا ہے۔

(۴) قرآن کریم نے جتنا زور اخلاق اور کردار اور تکریم انسانیت پر دیا ہے شاید ہی کسی دوسری چیز پر اتنا زور دیا ہو۔ جب کوئی شخص کسی کو ہلاک کر دیتا ہے تو وہ تکریم انسانیت کے بجائے تذلیل انسانیت کرتا ہے۔ جو منشائے الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔ اور اسی وجہ سے ایسا کرنے والے کو دردناک عذاب اور دائمی جہنم دینے کی بات کی ہے۔

(۵) ہر انسان کو اللہ نے پیدائشی طور پر آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے جب

کوئی . دوسرے کو قتل کرتا ہے تو گویا وہ دوسرے انسان کی آزادی سلب کر لیتا ہے اس سے جینے کا حق چھین لیتا ہے اور یہ بارگاہ رب العزت میں سنگین ترین جرم قرار پاتا ہے جس کی سزا جہنم کی وعید ہے

قاسمِ نوری کی چند اہم تصانیف

---

(۱) ○ ۔ سیرتِ فخرِ دوعالم (تہذیب و تسہیل)

(۲) ○ ۔ قرآنی انقلاب کیسے آئے گا؟

(۳) ○ ۔ تابندہ و پائندہ شخصیتیں

(۴) ○ ۔ غلام احمد پرویز

(۵) ○ ۔ مومن جو دڑو

(۶) ○ ۔ ہندوستانی زبان

(۷) ○ ۔ بربطِ احساس (مجموعۂ کلام)

(۸) ○ ۔ لہو کا رنگ ایک ہے

(۹) ○ ۔ آبرو

(۱۰) ○ ۔ نسیلِ حوادث

(منظور شدہ محکمہ ہائے تعلیم پاکستان)

اس دور کی عظیم شعری تخلیق

بربطِ احساس

(از قاسم نوری)

چند آراء

- قاسم نوری جیسی جامع الکمالات اور ہمہ گیر شخصیت دنیا بہت کم پیدا کر سکی ہے (رشید احمد صدیقی)
- یقین ہے کہ یہ کلام انہیں صدیوں تک زندہ رکھے گا۔ (نیاز فتح پوری)
- اس کی اشاعت سے ہمارے ادب میں ایک اچھا اضافہ ہو جائے گا (جوش ملیح آبادی)
- یقین ہے کہ یہ کلام مقام بلند حاصل کرے گا۔ (جگر مراد آبادی)
- نوری صاحب کے کلام کی اثر آفرینی انہیں شہرتِ عام اور قبولِ دوام بخشے گی۔ (ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی)
- نوری صاحب ہمارے شعراء کی صفِ اول میں شمار ہوں گے۔ (عبد المجید سالک)
- یہ کلام اردو شعر و سخن کی عام سطح سے معناً بہت اونچا ہے۔ (حفیظ جالندھری)
- غزلیہ کلام خاص طور سے شگفتہ بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ (فیض احمد فیض)
- قاسم نوری کے افکار کی پختگی میں حُسن کی گرفت بہت سخت ہے (صوفی تبسم)
- قاسم نوری کو اظہار کی مشکل بہت کم پیش آتی ہے۔ (احمد ندیم قاسمی)
- نوری صاحب کی غزلوں نے کلام کی پختگی، روانی اور سلیقہ مندی کا قائل کر دیا ہے (امتیاز علی تاج)
- بربطِ احساس کے مطالعے کے بعد میں نوری صاحب کی فنکارانہ عظمت کی دل سے معترف ہو گئی ہوں (شاہدہ وحید)
- بربطِ احساس جب دیکھا تو نظر جہاں پڑی، جم کر رہ گئی۔ (حجاب امتیاز علی تاج)
- یہ شاعری اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاعر پیدا ہوتا ہے، بنتا نہیں۔ (رئیس احمد جعفری)
- بلا مبالغہ یہ کلام ادبیاتِ فائقہ میں ممتاز جگہ پانے کے قابل ہے۔ (ڈاکٹر شجاعت علی)

سرورق سات خوبصورت رنگوں سے آراستہ۔ بہترین گٹ اپ